قَالَ اللّٰہُ تعالیٰ

وَقُوْلُوْا لِلنَّاسِ حُسْنًا (الآیۃ)

القول العزیز

منجملہ ارشادات و ملفوظات و مکتوبات

قدوۃ العلماء الراسخین زبدۃ الکاملین تاج العارفین سیدنا وہادینا

الحاج حضرۃ مولانا مولوی مفتی شاہ محمد حسن صاحب نور اللہ مرقدہٗ

بانی مدرسہ جامعہ اشرفیہ لاہور

مرتبہ

الحاج حضرۃ مولانا مولوی عزیز الرحمٰن صاحب دامت برکاتہم

بانی و مہتمم مدرسہ امداد العلوم عزیزیہ، لوئر ملک پورہ

سنہ ۱۳۸۶ھ — ایبٹ آباد (ہزارہ) — سنہ ۱۹۶۷ء

قال اللہ تعالیٰ

وَقُولُوا لِلنَّاسِ حُسْنًا (الآیۃ)

منجملہ ارشادات و ملفوظات و مکتوبات

قدوۃ العلماء الراسخین زبدۃ الکاملین تاج العارفین سیدنا و ہادینا
الحاج حضرۃ مولانا مولوی مفتی شاہ محمد حسنؒ صاحب نور اللہ مرقدہٗ
بانی مدرسہ جامعہ اشرفیہ لاہور

مرتبہ

الحاج حضرۃ مولانا مولوی عزیز الرحمٰن صاحب دامت برکاتہم
بانی و مہتمم مدرسہ امداد العلوم عزیزیہ، لوئر ملک پورہ

سنہ ۱۳۸۶ھ ایبٹ آباد (ہزارہ) سنہ ۱۹۶۷ء

اشاعتِ اول (عکسی) ـــــــ ایک ہزار

اپریل ۱۹۶۷ء

قیمت ـــــــــ ۲ روپے ۵۰ پیسے

طابع ـــــــ چٹان پریس لاہور

ناشر ـــــــ شیخ محمد علم ماحمداصغر

کمیشن ایجنٹ۔ پرانی غلہ منڈی لائلپور

اِس کتاب کے مِلنے کے پتے

(۱) مدرسہ امداد العلوم عزیزیہ۔ لوئر ملک پورہ۔ ایبٹ آباد۔ ضلع ہزارہ

(۲) حافظ عبد الرشید گھڑی ساز و کتب فروش متصل مرکزی جامع مسجد ایبٹ آباد ضلع ہزارہ

(۳) شیخ محمد عالم احمد اصغر کمیشن ایجنٹ پرانی غلہ منڈی۔ لائلپور۔ فون دوکان:۔ ۲۰۲۵ / گھر:۔ ۴۶۰۶

(۴) ملک برادرز کتب فروش۔ امین پور بازار۔ لائل پور۔

(۵) ادارۂ اسلامیات ۱۹۰ انارکلی۔ لاہور۔

(۶) جامعہ اشرفیہ۔ مسلم ٹاؤن۔ لاہور۔

(۷) جامعہ اشرفیہ۔ نیلا گنبد۔ لاہور۔

(۸) مدرسہ اشرف العلوم۔ باغبانپورہ۔ گوجرانوالہ۔

(۹) حمیدیہ دواخانہ۔ جامع مسجد روڈ۔ راولپنڈی۔

(۱۰) کتب خانہ صدیقیہ بیرون بوہڑ گیٹ۔ ملتان شہر۔

(۱۱) دار الاشاعت۔ مولوی مسافر خانہ۔ کراچی۔

(۱۲) سعید بک ڈپو۔ متصل مرکزی جامع مسجد۔ حویلیاں۔ ضلع ہزارہ۔

(۱۳) حضرت ڈاکٹر حفیظ اللہ صاحب۔ اناج بازار۔ سکھر۔

(۱۴) حافظ علی محمد صاحب (سفیر جامعہ اشرفیہ) مقام ہجن براستہ پھلروان (سرگودھا)

(۱۵) عبد الجواد خادم مجلس صیانۃ المسلمین، ۶۹ مال روڈ جامع مسجد اشرفی لاہور

فہرست عنوانات

نمبر شمار	مضمون	صفحہ
۱	گذارش	۱
۲	عرضِ حال	۳
۳	آغاز	۷
۴	معمولات وکمالات	۸
۵	درس قرآن مجید اور اکابر علماء کی شہادتیں	۱۱
۶	مثنوی مولانا رومؒ	۱۵
۷	بنیادی اصول	۱۵
۸	اخلاقِ حسنہ	۱۷
۹	ملفوظات	۱۸
۱۰	مکتوبات	۱۱۱
۱۱	اشاعتِ دین کی لگن	۱۲۰
۱۲	حضرت حکیم الامت تھانویؒ کی چند صحبتیں اور مشورے	۱۳۱
۱۳	دستور العمل	۱۳۴
۱۴	اصلاح کا آسان نسخہ	۱۳۵
۱۵	نذرِ عقیدت	۱۳۶
۱۶	طویل علالت	۱۳۹

گذارش

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ وَکَفٰی وَسَلَامٌ عَلٰی عِبَادِہِ الَّذِیْنَ اصْطَفٰی

زیر نظر مجموعہ، مُرشدی حضرت مولانا مفتی محمد حسن صاحب قدس سرہ کے اُن گرانبہا ارشادات کا مجمُوعہ ہے جو مخدومی حضرت مولانا عزیز الرحمٰن صاحب دامت برکاتہم کی کوشش وسعی سے جمع و مرتب ہوا۔ اور محترمی جناب شیخ محمد عالم صاحب لائلپوری کی حسنِ سعی سے شائع ہو رہا ہے۔

ابتدائی تبییض و ترتیب کا کام جناب مولانا وکیل احمد صاحب شروانی سلّمہٗ نے فرمایا مگر وہ اپنی دیگر مصرُوفیات کی وجہ سے اس کام کو جاری نہ رکھ سکے۔ اسلئے حضرت مولانا عزیز الرحمٰن صاحب مدظلہم کے حکم سے اس احقر نے اس کے مسودہ کو حرفًا حرفًا مطالعہ کرنے کا شرف حاصل کیا۔ انہی کے حکم سے کہیں کہیں ضرورت یا تشریح کے لئے کچھ حذف و اضافہ بھی کیا۔ ورنہ حتی الامکان حضرت مولانا کے الفاظ ہی کو باقی رکھا گیا۔ اور انہی کے حکم سے یہ چند سطریں لکھ رہا ہوں۔

مسودہ کی تیاری کے بعد اس کی طباعت کا کام سرانجام دینے کیلئے بھی حضرت موصوف نے اس احقر ہی کو حکم فرمایا۔ اس لئے احقر نے اس خدمت کو "مجلس صیانۃ المسلمین" کے عزیز رکن جناب عبد الجواد صاحب سلّمہٗ کے سپرد کیا اور انہوں نے ماشاء اللہ بڑی تندہی، محنت اور لگن سے اس خدمت کو سرانجام دیا۔ اس کے علاوہ جناب

شیخ محمد عالم صاحب لائلپوری (جو حضرت مفتی صاحبؒ کے خاص متوسلین میں سے ہیں) نے نہ صرف یہ کہ اس کی طباعت کے مصارف کی کفالت فرمائی بلکہ نقل مسودات وطباعت کے مراحل میں تگ و دو میں بھی بڑی ہی مدد فرمائی۔ اور عزیز مکرم جناب مولانا حافظ فضل رحیم صاحب سلمہٗ (صاحبزادہ حضرت مفتی صاحبؒ) نے بنظر شفقت وعنایت کچھ ملفوظات جناب مولوی انیس الحق صاحب (حضرت مفتی صاحبؒ کے خلیفہ) کی طرف سے جو پٹنہ (بھارت) میں ہیں، عنایت فرمائے، جو حضرت مولف نے مناسب طریق سے اسمیں شامل فرما دیئے۔ لہٰذا درحقیقت اس مجموعہ کی اشاعت کا سہرا انہی حضرات کے سر ہے۔ اللہ تعالیٰ ان جملہ حضرات کو ہزارہا ہزار اجر و درجات دارین میں عطا فرمائیں اور ان حضرات کی دلی مرادیں دینوی واخروی اپنے فضل وکرم سے بکمال وتمام عطا فرمائیں اور اس ناکارہ وروسیاہ کو ان حضرات کے وسیلے سے حسن خاتمہ اور توفیق عمل صالح کی دولتوں سے نوازیں، آمین، ثم آمین،

اس مجموعے کی افادیت کے پیش نظر یہ عرض کرنا بے جا نہ ہوگا کہ ان حضرات نے تمام مسلمانوں پر عموماً اور حضرت مفتی صاحبؒ کے متوسلین پر خصوصاً بڑا احسان فرمایا ہے کہ یہ بیش بہا ذخیرہ استفادہ کے لئے مرتب فرما کر شائع فرما دیا۔ اللہ تعؑ اس کو قبول فرمائے اور ہم سب کے لئے نافع فرمائے۔ آمین، جزاھم اللہ احسن الجزاء فی الدارین۔

احقر الزمن محمد نجم الحسن عفی عنہٗ

(صدر مجلس صیانۃ المسلمین، ۶۹۔ مال روڈ۔ لاہور)

عرضِ حال

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

حامداً و مصلّیاً وسلّماً

بعد حمد و صلوٰۃ کے، یکے از کمترین خدّام آستانۂ اشرفی احقر الزمان عزیز الرحمان ابن حضرت مولانا الفاضل عبدالحکیم صاحب (لودھی) غفراللہ لہما عرض پرداز ہے کہ جب احقر ملفوظات کی تبییض سے فارغ ہوا، تو اُس کا مبیّضہ وغیرہ ہمراہ لے کر طباعت واشاعت کی غرض سے ۱۳ فروری ۶۶ئہ کو بارش میں ایبٹ آباد سے لاہور روانہ ہوا۔ ایبٹ آباد سے گوجرانوالہ تک پورا سفر بارش میں طے ہوا۔ اور سفر بھی بس (لاری) کے ذریعہ تھا۔ گوجرانوالہ کے اڈہ پر جب نماز مغرب کے لیے بندہ اترا تو اس موقع پر بندہ کا بکس لاری میں موجود تھا۔ لیکن جس وقت بس کاموکی کے اڈہ سے کافی آگے نکل گئی تو دیکھا کہ بکس نہیں ہے۔ پوچھنے پر بس کے ایک معمر مسافر نے کہا کہ کاموکی کے اڈہ پر جو مسافر دیہاتی وضع قطع کے اُترے ہیں۔ ان میں سے ایک مسافر اس بکس کو لے گیا ہے۔ وہ چار پانچ مسافر تھے۔ ان کے ساتھ دو عورتیں اور

ایک دو لڑکے بھی تھے۔ جنہوں نے لاری میں کافی شور و غل برپا کر رکھا تھا۔ مسافر مذکور نے احقر کو یہ مشورہ دیا کہ تم واپس کامونکی چلے جاؤ۔ وہ اترنے والے مسافر دیہاتی معلوم ہوتے تھے۔ اس وقت وہ کسی ہوٹل میں ہوں گے۔ رات کو وہ گاؤں جائیں گے نہیں بکس مل جائے گا۔ لیکن تمام دن بارش میں سفر کی وجہ سے اب رات کے وقت سردی میں واپس کامونکی جانے کی احقر ہمت نہ کر سکا، اور سیدھا لاہور گاف روڈ چلا گیا۔

اس موقع پر لاہور میں غیر ممالک کے قُرّاء حضرات تشریف لائے ہوئے تھے۔ اس گم شدہ بکس میں علاوہ دیگر علمی و قلمی تحریرات و کتب و پارچہ جات کے مسوّدہ اور ملیتضہ کی کاپیاں بھی تھیں جو چلی گئیں۔ لاہور سے احقر دوسرے دن بھی کامونکی نہ آسکا۔ محبِّ مکرم جناب شیر بہادر خان صاحب سالسٹر حکومت مغربی پاکستان نے دو تین اخباروں میں اس بکس کی گمشدگی کا اعلان بھی کیا۔ سیکرٹریٹ مدٹ راولپنڈی کی طرف سے، کامونکی تھانہ پولیس میں بھی اس کی اطلاع دی گئی لیکن تا حال اس بکس کا کچھ پتہ نہ چلا۔

حضرت مفتی صاحب رحمۃ اللہ علیہ امرتسری ثم لاہوری کے ارشادات عالیہ کو بڑی محنت کے ساتھ فراہم کر کے اشاعت کے لئے مرتب کیا گیا تھا، لیکن افسوس کہ اس کا تمام ذخیرہ اس بکس میں چلا گیا۔ ناظرین کرام دعا فرمائیں کہ قلمی تحریرات کی کاپیاں حق تعالیٰ جل شانہٗ بندہ کو جلد واپس دلا دیں۔ آمین۔

اس واقعہ کے بعد اس سلسلہ میں لکھنے لکھانے کی بات ہی ختم ہوگئی تھی لیکن مخلصی جناب شیخ محمد عالم احمد اصغر لائل پوری (پرانی غلہ منڈی) سلمہم اللہ تعالیٰ کا برابر اصرار و شوق چلا آرہا تھا کہ مختلف کاغذات اور کاپیوں میں تلاش کیا جائے شاید تھوڑے بہت ملفوظات نکل آئیں تو انہی کی طباعت کی کوشش کی جائے چنانچہ کاغذات اور نوٹ بکوں سے جو کچھ ملفوظات مل گئے اور کچھ محترم شیخ صاحب مذکور کی کاپی سے مل گئے۔ جو انہوں نے غالباً حضرت مفتی صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی حیات میں احقر کے یہاں سے نقل کئے تھے۔ اس لئے "مَا لَا يُدْرَكُ كُلُّهٗ لَا يُتْرَكُ كُلُّهٗ" کے پیش نظر جس قدر ملفوظات میسّر آسکے وہ ہدیۂ ناظرین ہیں۔

دراصل اس کارِ خیر کے اصل محرک اور ساعی جناب شیخ محمد عالم صاحب لائلپوری ہی ہیں، چنانچہ اس کی اشاعت میں بھی انہی کی مساعی جمیلہ اور جد و جہد کو خاص دخل ہے۔ ناظرین ان کی صحت و فلاح و خاتمہ بالایمان و مقاصد حسنہ میں کامیابی کے لئے دُعا فرمائیں۔ جزاھم اللہ احسن الجزاء اور تمام دینی و دنیوی مقاصد میں اللہ عزوجل راقم جامع اوراق کی اور دیگر معاونین حضرات کی امداد و دستگیری فرمائیں۔ آمین، ثم آمین، ع وَيَرْحَمُ اللّٰهُ عَبْدًا قَالَ آمِيْنَا۔

احقر جو حضرت مفتی صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے ملفوظات کا ناقل ہے، بالکل اس شعر کا مصداق ہے ؎

نہ رنجِ خار کشیدم نہ بوئے گل دیدم　　　ز عندلیب شنیدم کہ نو بہارے است

اور اپنے کو صاحبِ ملفوظات حضرت مفتی صاحب نور اللہ مرقدہٗ اور اصل چشمۂ فیض و منبعِ برکات حضرت تھانوی قدس اللہ اسرارہٗ کے فیوض و برکات کا سراسر محتاج پاتا ہے جو ان اشعار کا مصداق ہے ؎

وائے ناکامی اگر ہوں نہ عیاذاً باللہ ۔۔۔ روزِ محشر میں مرے حال کے پُرساں دونوں
غرقِ امواجِ معاصی ہوں نہیں شکلِ نجات ۔۔۔ ناخدا ہوں مری کشتی کے نگہباں دونوں
جز تہیدستی و یاس اور نہیں کوئی رفیق ۔۔۔ مونس و یار ہیں بس حسرت و ارماں دونوں
ہے نہاں خانۂ دل گرچہ خراب و خستہ ۔۔۔ جلوہ فرما ہیں مگر اس میں یہ مہماں دونوں
دردِ غم روزِ قیامت میں کرے جب مضطر ۔۔۔ یاالٰہی ہوں مرے درد کے درماں دونوں
ضغطۂ نزع و لحد، فتنۂ محیا و ممات ۔۔۔ دونوں کے صدقہ سے اللہ ہوں آساں دونوں
جاؤں عرصات میں جب خائف و نادم تہی دست ۔۔۔ دونوں ہاتھوں میں ہوں اِن دونوں کے داماں دونوں

حق تعالیٰ بہ برکت شیخین قدس سرہما احقر کو توفیق اعمال صالحہ عطا فرما کر فلاحِ دارین و حسنِ خاتمہ کی دولت بخشیں اور ان کی معیّت دائمہ سے محروم نہ فرمائیں آمین ثم آمین بحرمتہ خاتم النبیّین صلے اللہ علیہ وسلم۔ حق تعالیٰ صاحبِ ملفوظات کو جنت میں درجات عالیہ عطا فرمائیں اور احقر ناکارہ کو ان کے نقشِ قدم پہ چلنے کی اور ان کے ارشادات پر عمل کرنے کی توفیق عطا فرمائیں، آمین۔ ورنہ محض نقل سے کیا کام چلتا ہے ؎

اے خواجہ چند نقلِ کراماتِ شیخِ شہر ۔۔۔ نقدے ز وقتِ خویش بیار ایں فسانہ چیست

آغاز

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

اے دِل آغاز کُن افسانۂ ایامِ وصال
تا بہ مشغولیِ آں قصۂ شبِ غم گذرد

پھر جمع کرتا ہوں جگر لخت لخت کو
عرصہ ہوا ہے دعوتِ مژگاں کئے ہوئے

حضرت مولانا مفتی محمد حسن قبلہ کے وصال سے تقریباً تین ماہ قبل احقر لاہور حاضر خدمت ہوا۔ جب کہ حضرت پر ضُعف کا غلبہ تھا۔ اثنائے کلام میں احقر نے عرض کیا کہ حضرت کی اب کیا عُمر ہو گی ؟ فرمایا نوّے (۹۰) سال ہو گی۔ اس سلسلہ میں فرمایا کہ میرے والد صاحب مرحوم تونسہ شریف آمد و رفت رکھتے تھے اور رات کے آخری حِصّہ میں سحری کے وقت نفی و اثبات کا ذکرِ جہر کیا کرتے تھے۔ جب والد صاحب "بھوئی" پڑھنے جاتے تو راستہ میں نالہ ہرو کو عبور کرتے وقت صحیح مسلم شریف کو سر پر رکھ لیتے "بُھوئی" کے درس میں ملا حسن وغیرہ پڑھنے والے طلبا بھی ہوتے تھے۔ اس وجہ سے والد صاحب نے میرا نام "محمد حسن" رکھ دیا۔

معمولاتؒ وکمالاتؒ

آپ حکیم الامت مجدد الملت حضرت مولانا شاہ محمد اشرف علی صاحب تھانوی قدس سرہ کے اجلّ خلفاء میں سے اور ان ہی کے رنگ میں خوب خوب رنگے ہوئے تھے ان کے خلفاء میں ایک ممتاز حیثیت و شخصیّت کے مالک تھے۔ حضرت مرشدنا تھانویؒ کے علوم و معارف کے خزانہ تھے جو بات فرماتے حضرت تھانویؒ کے حوالہ سے فرماتے۔ ؎

جو بات بھی فرماتے خود شیخ کی فرماتے	ملفوظ تھے مجلس میں خود شیخ کے فرمودہ
کیا کیف و اثر لب پر کیا فیض کی ارزانی	مجلس میں نظارہ تھا خود شیخ کی مجلس کا
منظورِ نظر آخر تھے شیخ مجدّد کے	بس تھانہ بھون کا رنگ ہر بات میں تھا پیدا

اپنے مرشد کے ساتھ فنا فی الشیخ کا تعلق حاصل تھا۔ اور شیخ المشائخ حضرت تھانویؒ کی محبت عشق کے درجہ میں تھی۔ اپنے شیخ کے حالات و کمالات بیان کرتے وقت آپ پر ایک عجیب کیفیت ہوتی۔ اس وقت حضرت کی بشاشت اور قلبی کیفیت قابلِ دید ہوتی تھی اور ان کے ذکر میں آپ کو خاص لطف آتا۔ ان کے علوم کو اس خوبی سے بیان فرماتے کہ باید و شاید ؎

حضرت عزیز الحسن صاحب مجذوبؒ کا ارشاد	احقر جامع ملفوظات سے ایک

دفعہ خانقاہ تھانہ بھون میں حضرت خواجہ عزیزالحسن صاحب مجذوبؒ نے خود فرمایا کہ حضرت تھانوی صاحبؒ فرماتے ہیں کہ مجھے دُنیا سے اپنے جانے کا کوئی فکر و خیال نہیں جبکہ میرے بعد یہ دو موجُود ہیں ۔ احقر نے عرض کیا یہ دو کون ہیں ؟ فرمایا ایک تو مولانا مفتی محمد حسن صاحب امرتسری ہیں ۔ دُوسرے پر حضرت خواجہ صاحبؒ خاموش ہو گئے ۔ غالباً دُوسرے سے مراد حضرت خواجہ صاحب ہی ہوں ۔ (واللہ اعلم)

واقعی حضرت مفتی صاحبؒ نے اپنے شیخ کے فیض کو ایسا عام کیا کہ جب حضرت تھانوی قدس سرہٗ کے وصال کے کچھ عرصہ بعد حضرت مولانا مفتی محمد حسن صاحب تھانہ بھون تشریف لے گئے تو حضرت خواجہ صاحب بھی وہیں تشریف فرما تھے ، حضرت تھانویؒ کے وصال سے جو خلاء پیدا ہو گیا تھا ۔ اس کا ان حضرات کو دن رات قلق تھا اور یہی ذکر ہر مجلس میں رہتا تھا ۔ حضرت خواجہ صاحبؒ اپنی ایک مرصع غزل سنا رہے تھے ۔ اس میں حضرت مفتی صاحبؒ کو مخاطب کر کے فرمایا کہ یہ دو شعر تو میں نے آپ کو خطاب کر کے کہے ہیں :- ؎

دہر کی اب ہے انجمن ، تیرہ و تار اے حسن
باعثِ نور تو ہی بن ، اوروں کو فکر ہی نہیں
دل میں لگا کے اُن کی لَو ، کر دے جہاں میں نشرِ ضَو
شمعیں تو جل رہی ہیں سَو ، بزم میں روشنی نہیں

حضرت مفتی صاحبؒ کی مجلس میں تھانہ بھون کی یاد تازہ ہو جاتی تھی ۔ آپکے دربار

میں ہمیشہ ذکرِ آخرت اور خدا تعالیٰ کے دین کی باتوں کا چرچا رہتا تھا۔ اس کے سوا ان کی مجلس میں دُنیا کی کوئی بات نہیں ہوتی تھی۔

آپ اس امر کی تعلیم دیتے کہ تواضع اور پستی انسان کے لئے بڑی سعادت ہے، اور عُجب، کبر، نخوت و غرور وغیرہ انسان کے لئے سمِّ قاتل اور سب سے زیادہ مُہلک ہے۔

مَا اَحْسَنَ الشَّیْخَ فِیْ خَلْقٍ وَ فِیْ خُلُقٍ   اَعْیَتْ مَحَاسِنُهٗ فِی الدَّهْرِ اَقْرَانَا

یعنی ظاہری و باطنی خلقت و اخلاق میں یہ بزرگ کس قدر عمدہ ہے جس کی خوبیوں نے اس زمانہ میں تمام ساتھیوں کو عاجز کر دیا تھا۔

شَیْخُ الطَّرِیْقَةِ اُسْتَاذُ الْعُلُوْمِ مَعًا   قَدْ عَمَّ فَیْضَانُهٗ شَیْبًا وَ شُبَّانًا

یعنی وہ طریقت کے پیر اور تمام علوم کے ماہر دونوں کمال کے جامع تھے۔ آپ کا فیض پیر و جواں سب کو عام تھا۔

کَانَ الْمَلَاذُ لِاَهْلِ الْعِلْمِ وَالتَّقْوٰی   فَکُلُّ شَیْخٍ وَ مِفْضَالٍ لَهٗ دَانَا

یعنی تمام اہلِ علم اور اصحابِ تقویٰ کے جائے پناہ و مرجع مشکلات تھے اس لئے ہر پیر اور عالم آپ کے لئے سر تسلیم خم کرتا تھا۔

بلند ہمتی

احقر جب حکیم الامت حضرت تھانویؒ کی خدمت میں حاضر ہوتا تو راستے میں امرتسر پڑتا۔ اس آمد و رفت میں امرتسر مسجد نور میں بھی حضرت مفتی صاحب کی

زیارت کے لئے اُترتا۔ سالہا سال سے امرتسر حضرت مفتی صاحب کا یہ معمول تھا، کہ صبح صادق سے اڑھائی تین گھنٹہ پہلے طالب علم مولوی مبارک شاہ چترالی یا کبھی کوئی اور صاحب حضرت مفتی صاحب کے لینے کے لئے جاتے اور محلہ شریف پورہ سے تین پہیوں والی گاڑی کے ذریعہ حضرت کو مسجد نور میں لاتے، جسکے بانی مبانی مولٰنا نور احمد صاحبؒ امرتسری ہیں۔ احقر جامع اوراق بھی کئی بار ان کی زیارت سے مشرف ہوا۔ اِس مسجد کے نہایت تنگ حجرے میں حضرت مفتی صاحبؒ دروازہ بند کر کے مشغول بحق ہو جاتے۔

درس قرآن مجید

پھر بعد نمازِ صبح روزانہ گھنٹہ سوا گھنٹہ قرآن مجید کا درس دیتے جس میں دُور دراز سے ہر خیال کے لوگ آپ کے درس قرآن میں شریک ہو کر روح کی تازگی حاصل کرتے۔ یہاں تک کہ بڑے بڑے علماء بھی آپ کے درسِ قرآن میں شریک ہو کر معارفِ قرآنیہ سے مستفید ہوتے،

اکابر علمائے ربّانی کی شہادتیں

حضرت مولٰنا خیر محمد صاحب مدظلہ العالی جالندھری ثم ملتانی فرماتے ہیں کہ کئی بار امرتسر کی حاضری میں درسِ قرآن پاک سُننے کا موقع میسر آیا۔ ترجمہ کے ضمن میں لطائف و معارف کا اس قدر انبار ہوتا تھا کہ گویا سمندر موجیں مار رہا ہے۔ لُطف یہ ہے کہ قرآن کے الفاظ کی حدود سے استنباط باہر نہ ہوتا تھا۔ عوام و خواص اپنی اپنی استعداد کے موافق صوفیانہ نکات و معارف اصلاحیہ سے بہرہ اندوز ہوتے اور

خدا تعالیٰ اور رسولِ پاک صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت میں ترقی کرتے،

ایک بار امرتسر میں حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب مدظلہٗ دیوبندی حال مہتمم مدرسہ دار العلوم کراچی کو امرتسر حضرت مفتی صاحبؒ کے درسِ قرآن میں شریک ہونے کا موقع ملا۔ اس کے بعد انہوں نے اپنی کیفیت قلبی کا اظہار ان شعروں سے فرمایا ؎

یہ اعجوبہ بفیضِ وفضلِ مولانا حسَن دیکھا
کہ امرت سر میں ہم نے آج اِک تھانہ بھون دیکھا
سُنا وہ درسِ قرآں دِل کی آنکھیں کھول دیں جس نے
معارف ہائے قرآنی کا دریا موجزن دیکھا!

درس کے اندر سامعین کی عجیب ہی کیفیت ہوتی۔ کسی پر گریہ کی کیفیت طاری ہوتی اور کسی طرف سے چیخوں کی آواز آتی۔ وعظ و درس میں آپ اختلافی جھگڑوں میں نہیں پڑتے تھے۔ دِل خراش مضامین سے اجتناب فرماتے تھے۔ حضرت مفتی صاحبؒ کے وعظ میں اس قدر اثر ہوتا تھا کہ آپ مجمع پر چھا جاتے تھے ؎

اثر لُبھانے کا پیارے ترے بیان میں ہے
کسی کی آنکھ میں جادُو، تری زبان میں ہے

درسِ قرآنِ مجید سے فارغ ہونے کے بعد صلوٰۃِ اشراق پڑھتے پھر دس پندرہ منٹ اپنے اس تنگ حجُرہ میں ٹھہرتے۔ جس کو ملنا ہوتا اس موقع پر مل لیتا۔ اس کے بعد مکان پر تشریف لے جاتے۔ اور کھانا تناول فرماتے۔ یہی ناشتہ بھی ہوتا اور دوپہر

کا کھانا بھی۔ فرمایا کرتے کہ ایک دفعہ خُوب پیٹ بھر کر کھا لینا چاہیئے۔ بار بار گھر کے لوگوں کو تکلیف دینا اچھا نہیں۔ کھانے سے فارغ ہو کر مسجد خیر الدین میں تشریف لے جاتے۔ وہاں سوائے وقتِ قیلولہ کے تمام دِن درس و تدریس میں مصروف رہتے؛ حضرت کی تقریر میں کشش اور جاذبیت ہوتی تھی۔ مافی الضمیر کی ادائیگی بہت واضح اور نہایت عمدہ پیرائے میں فرماتے تھے۔ طرزِ ادا عام فہم ہوتا تھا۔ قرآنی نکات اور رُوحانی امراض کا عِلاج و اصلاح دلچسپ طرز پر ہوتی ہے

بیانِ شوق چہ حاجت کہ حالِ آتشِ دِل
تواں شناخت ز سوزے کہ در سخن باشد

آپ معقولات و منقولات دونوں میں جامع تھے۔ اگر ایک طرف قرآن کے بہترین مفسّر تھے، تو دُوسری طرف منطقی اور فلسفی بھی تھے۔ تفسیر، حدیث، اصولِ فقہ، منطق، معانی، ادب وغیرہ کی کتب محنت اور شوق سے بے تکلف پڑھایا کرتے تھے۔ ساٹھ سال سے زائد آپ نے ہر فن کی کتابیں پڑھائی ہیں معقولات سے زیادہ مناسبت تھی۔ مُلّا حسن، قاضی، حمد اللہ، نہایت دلچسپی کے ساتھ پڑھاتے تھے، فرمایا کرتے کہ مجھے حمد اللہ سے خاص مناسبت ہے۔ اس کی وجہ شاید یہ ہو کہ مَیں نے تبرک کے طور پر اس کے دو چار صفحے حضرت فاضل مولانا پیر مہر علی شاہ صاحب گولڑوی رح سے پڑھے تھے۔ مدرسہ نعمانیہ مسجد خیر الدین امرتسر میں ہر فن کے اسباق آپ پڑھاتے تھے۔ جو چودہ پندرہ سے کم نہیں ہوتے تھے۔ ایک مرتبہ احقر کی موجودگی میں

نماز ظہر کے بعد سے مکان پر تشریف لے جانے تک پانچ چھ کتابوں کے اسباق حضرت نے پڑھائے۔ ایبٹ آباد میں علاقہ جہلم کے ایک مولوی صاحب جن کا انتقال ہو گیا ہے، احقر کے یہاں تشریف لائے کہنے لگے "مجھے معلوم ہوا ہے کہ حضرت مفتی صاحب آج کل ایبٹ آباد میں تشریف لائے ہوئے ہیں۔ وہ میرے استاد ہیں۔ میں ان کی زیارت کے لئے آیا ہوں" احقر نے اُن سے دریافت کیا کہ آپ نے حضرت سے کیا پڑھا ہے؟ انہوں نے جواب میں کہا۔ کہ آج سے پچاس سال پہلے میں نے نحو کی فلاں کتاب حضرت سے پڑھی تھی۔ حضرت اس وقت بھی فنون کی کتابیں پڑھا رہے تھے۔ اس کے بعد میں نے درسیات کی سب کتابیں پڑھیں۔ مولوی فاضل وغیرہ کا امتحان دیا۔ سرکاری سکولوں میں انیس سال پڑھانے کے بعد اب پنشن پر آ گیا ہوں،

پاکستان بننے کے موقع پر جب امرتسر سے حضرت نیلا گنبد لاہور تشریف لائے، تو یہاں نہایت بے سروسامانی کے عالم میں توکلاً علی اللہ جامعہ اشرفیہ کے نام سے مدرسہ عربی جاری فرمایا۔ جو اِن اشعار کا مصداق ہے ؎

درس گاہِ علمِ دیں ایں جامعہ — اشرفیہ از معارف لامعہ
یادگارِ مولویؒ معنوی!! — مولوی اشرف علیؒ تھانوی!
اے خدا ایں جامعہ قائم بدار — فیضِ او جاری بود لیل و نہار

یہاں ابتدا میں ایک عرصہ تک اکثر اسباق خود پڑھایا کرتے تھے۔ جو پندرہ بیس سے کم نہیں ہوں گے۔ لاہور میں جب مدرسہ کی حالت اچھی ہو گئی۔ اور مدرسین

کی تعداد بڑھ گئی۔ پھر بوجہ علالت وضعف پیری صرف ہدایہ اخیرین۔ ابو داؤد شریف اور ایک دو اور کتابوں کے اسباق اپنے پاس رکھے تھے۔

مثنوی مولانا رُومؒ

مثنوی مولانا رُومؒ سے خاص شغف رکھتے تھے، اور پڑھاتے بھی تھے۔ امرتسر حضرت کے درس مثنوی میں احقر کو بھی شمولیت کی سعادت حاصل ہوئی۔ وعظ اور درس کے موقعہ پر مثنوی مولانا رومؒ کے اشعار اکثر زبان پر آتے تھے۔ اس ناکارہ ہیچ مدان کو استاذی حضرت مولانا میاں سید اصغر حسین صاحبؒ استاذِ حدیث مدرسہ دارالعلوم دیوبند سے بطور تبرک مثنوی رومیؒ کے ابتدائی چند اشعار پڑھنے کا شرف حاصل ہوا ہے جب کہ احقر تھانہ بھون سے واپسی پر دیوبند حضرت میاں صاحب قدس سرہٗ کی زیارت کے لئے حاضر ہوا تھا۔ استاذی حضرت میاں صاحب محدثؒ بڑے درجہ کے صاحب کشف بزرگوں میں سے تھے اور مرجع خلائق تھے۔

الغرض حضرت کی ذات ارفع صفات ہر لحاظ سے بہت فیض رساں رہی، ہر طبقہ کے حضرات کو آپ سے دینی اور مذہبی فیض پہنچا۔ اکابر علماء۔ اعلیٰ حکّام، وزراء، امراء۔ نہایت اخلاص وعقیدت کے ساتھ آپ کے آستانۂ عالیہ پر حاضری دیتے اور آپ کی روحانیت سے مستفیض ہوتے یعنی آپ مرجع عوام وخواص تھے۔

بنیادی اصول

بنیادی اصولِ اسلامی کے طے کرانے کے سلسلہ میں دو مرتبہ حضرت نے کراچی کا سفر فرمایا۔ ان دونوں سفروں میں احقر

کو حضرت مفتی صاحب کی معیت کی سعادت حاصل رہی۔ وہاں مختلف فرقوں کے اکابر علمار کرام کا اجتماع تھا لیکن ہر فرقہ کے عالِم اُن کے سامنے جھکتے تھے اور سَر خم کرتے تھے۔ ایک بار نماز جمعہ کے موقع پر وعظ حضرت مفتی صاحبؒ کا ہُوا سب حضرات کی نظر اُن پر پڑی۔ حضرت کا وہ عجیب وعظ تھا۔ نُور ہی نُور تھا۔ ؎

بہ حُسنِ خلق و وفا کس بیارِ ما نرسد | ترا دریں سخن انکارِ کارِ ما نرسد
اگرچہ حُسن فروشاں بجلوہ آمدہ اند | کسے بحُسن و لطافت بیارِ ما نرسد
دلا زطعنِ حسوداں مرنج و ایمن باش | کہ بد بخاطرِ اُمیدِ وارِ ما نرسد

اور ؎

خوبی ہمیں کرشمہ و ناز و خرام نیست | بسیار شیوہ ہاست بُتاں راکہ نام نیست
بہ گوشِ جاں بشنو نکتہ ہائے پیرِ ہرات | کہ مشکلاتِ طریق از بیانش آسان است
حسد چہ می بری اے سُست نظم بر حافظؔ | قبولِ خاطر و حُسنِ سخن خداداد است
دامانِ نگہ تنگ و گُلِ حُسنِ تو بسیار | گلچینِ بہارِ تو ز داماں گِلہ دارد
نہ حُسنش غایتے دارد نہ سعدیؔ راسخن پایاں | بمیرد تشنہ مستسقی و دریا ہم چناں باقی
آں کہ می گویند آں بہتر زحُسن | یارِ ما آں دارد و آں نیز ہم
قلم بشکن سیاہی ریز و کاغذ سوز و دم درکش | حسنؔ ایں قصۂ عشق است در دفتر نمی گنجد

القصہ حضرت مفتی صاحبؒ مجمع کمالات اور سراپا شفقت و رحمت تھے ہر شخص یہی خیال کرتا تھا کہ سب سے زیادہ شفقت حضرت کی مجھ ہی پر ہے ؎

اخلاق کا یہ عالم ہر اک یہ سمجھتا تھا جو مجھ سے تعلق ہے، اوروں سے نہیں ایسا

اخلاقِ حسنہ

صبر، توکل، ریاضت و استقامت میں آپ بے نظیر تھے شدید تکلیف کے اندر بھی معمولات ناغہ نہیں ہوتے تھے معمولات کے بہت پابند تھے۔ ہمدردی اس قدر آپ کے اندر تھی کہ دوسرے کی تکلیف کو دیکھ کر گھبرا جاتے تھے مصیبت زدہ کے لئے دُعا اور مناسب تدبیر و دوا سے بالکل دریغ نہیں فرماتے تھے۔ چنانچہ ایک پریشان حال مصیبت زدہ شخص کو تقریباً ایک ہزار روپیہ بطور امداد عطا فرمایا۔ پھر اسی صاحب مذکور کی امداد کے سلسلے میں احقر جامع اوراق کو فرمایا کہ تم کراچی جا کر ان کے کام کے لئے کوشش کرو چنانچہ اس سلسلہ میں احقر کو دس بارہ دن کراچی ٹھیرنا پڑا۔

غرض حضرت مفتی صاحبؒ کے اخلاق حسنہ اور کمالات ظاہری و باطنی کا احاطہ الفاظ سے کیسے ہو سکتا ہے۔ اس لئے مجبوراً بصد حسرت اس کو ناتمام چھوڑ کر حضرت مفتی صاحبؒ کے ملفوظات پیش کرتا ہوں۔ اللہ تعالیٰ قبول فرمائے۔ آمین،

والسلام

احقر ہیچ مدان **عزیز الرحمٰن** عفا اللہ عنہ۔ الحنفی الچشتی
خادم مدرسہ امداد العلوم عزیزیہ لوئر ملک پورہ ایبٹ آباد (ہزارہ)
۲۰ رمضان المبارک ۱۳۸۶ھ مطابق ۲ جنوری ۱۹۶۷ء دوشنبہ

ملفوظات

(۱) فرمایا اللہ تعالےٰ اپنے متقی بندے کے لئے زمین میں مقبولیت رکھ دیتے ہیں یہاں تک کہ پرندے بھی اس سے محبت کرنے لگتے ہیں۔

(۲) فرمایا انسان کو عام طور پر تکالیف دعوائے استحقاق سے پیدا ہوتی ہیں۔ دعوائے استحقاق سے قلب میں شکایت پیدا ہوتی ہے۔ اس لئے تکلیف کا منشا، تو ہر وقت اپنے اندر لئے پھرتا ہے۔ بندہ کے فرائض میں سے ہے کہ اپنے تمام امور معبود کے سپرد کر دے۔

(۳) فرمایا کبھی مال دے کر امتحان کرتے ہیں، کبھی مال چھین کر پہلی صورت میں شکر کا مطالبہ ہے اور دوسری صورت میں صبر کا۔

(۴) فرمایا حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا مکّہ شریف سے ہجرت کرنے کا منشا اپنی قوم پر شفقت تھا کہ یہ کہیں جہالت سے مجھ پر حملہ نہ کر دیں، جس کی وجہ سے اُن پر خدائے تعالیٰ کا عذاب نازل ہوا اور یہ تمام کے تمام ہلاک کر دیئے جائیں ؎

ہیچ قومے را خدا رسوا نہ کرد تا دلِ صاحبدلے نامد بدرد

(۵) فرمایا جب کوئی صاحب اپنے لئے دُعا کرنے کو کہتے ہیں تو میں یہ سمجھتا ہوں کہ گویا اس نے بڑا احسان کیا کہ خدائے تعالیٰ سے ہمکلام ہونے کا موقع

دیا۔ خدائے تعالیٰ سے ہمکلام ہونا بڑی چیز ہے۔ اسی ضمن میں فرمایا کہ دُعا مقبول ہونے میں تاخیر بعض دفعہ اس لئے ہوتی ہے۔ کہ اس کی آواز اللہ تعالیٰ کو پسند ہوتی ہے آواز سننا چاہتے ہیں اور کبھی تاخیر کی وجہ یہ ہوتی ہے کہ اس چیز کا دینا ابھی اس کے لئے مضر ہے۔ اسی سلسلہ میں فرمایا کہ حضرت والا (تھانویؒ) سے کسی نے عرض کیا کہ ہم گنہ گار ہیں ہماری دعا قبول نہیں ہوتی۔ ہماری زبان اس قابل نہیں، فرمایا تمہاری زبان لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰه پڑھنے کے تو قابل ہے۔ اور دُعا کے قابل نہیں یہ شیطانی وسوسہ ہے اس طرح شیطان دعا سے محروم رکھنا چاہتا ہے۔ عین جرم کے موقع پر بھی دُعا نہیں چھوڑنا چاہیئے۔

(۶) فرمایا ایک "تجویز" ہے اور ایک "تفویض" ہے۔ دل میں یہ سوچ لینا کہ یہ بات اس طرح ہوتی چاہیئے۔ اور یہ کام اس طرح ہونا چاہیئے "یہ تجویز" ہے۔ اور ہر کام کو خدا کے سپُرد کر دینا کہ جب اور جو وہ کرینگے۔ وہی بہتر ہوگا "یہ تفویض" ہے۔

پہلی صورت میں اگر کام تجویز کے مطابق نہ ہوا تو اس کے نہ ہونے پر صدمہ ہوتا ہے۔ اسی لئے حضرات صوفیاء کرام "تجویز" کو فنا کرنے اور "تفویض" کو اختیار کرنے کی تاکید فرماتے ہیں۔ پھر "تفویض" بھی اپنی راحت و لذت کے لئے نہ ہو، بلکہ اظہارِ عبدیت کے لئے ہو کہ دل میں یہ بات جاگزین ہو کہ یہ میرا فرض منصبی ہے۔

(۷) فرمایا کہ حضرت والا (تھانویؒ) نے فرمایا تھا کہ اگر میرے ہاں موجودہ وقت کا بڑے سے بڑا کافر و مشرک آجائے تو بحیثیت مہمان ہونے کے

میں اس کی مدارات کروں گا۔ لیکن اس سے میدانِ جنگ میں سامنا ہوجائے تو سب سے پہلے میں ہی اس کا سر قلم کرنے والا ہوں گا۔

⑧ فرمایا "حکمت" کے معنی "استنباط کرنے کے ہیں۔ یعنی بات سے بات نکالنا" جس طرح ایک صندوق مقفّل ہو، کہ چابی کے بغیر اُس میں سے کچھ نہیں نکالا جاسکتا بس وہ چابی مجتہدین کے پاس ہوتی ہے۔ اس سلسلہ میں مفصّل کلام فرماتے ہوئے مولانا روم" کا تذکرہ فرمایا کہ بسا اوقات مولانا روم کسی مسئلہ پر کلام فرماتے ہیں اور آخر میں آکر فرما دیتے ہیں کہ "مخاطب اہل ہوتا تو اور مفصّل بیان کرتا چونکہ مخاطب نا اہل ہے، اس لئے اس ذکر کو چھوڑتا ہوں" اس پر فرمایا کہ حضرت مولانا تھانوی) ایسے مواقع پر مثنوی کی شرح میں فرماتے ہیں کہ میں کلام کے سیاق وسباق کو دیکھ کر معلوم کرلیتا ہوں کہ اگر مولانا رومیؒ اور مفصّل فرماتے تو ایسا فرماتے لیکن نہ فرمانے کی وجہ یہ ہے کہ مخاطب اس سے غلط مطلب سمجھ لیتا، جس کی وجہ سے فتنہ اور گمراہی پھیلنے کا فوری اندیشہ تھا، اس لئے خاموشی اختیار فرمائی۔

⑨ فرمایا کہ حضرت مولانا تھانویؒ فرمایا کرتے تھے کہ عمومِ لفظ اُس وقت معتبر ہے، جب یہ عموم مرادِ متکلم سے متجاوز نہ ہوجائے۔ سبحان اللہ! یہ حضرت ہی کی تحقیق ہے جو کسی نے نہیں لکھی۔

⑩ فرمایا بڑا مزا علم کے اندر ہے۔ سارنگی وغیرہ میں وہ مزا کہاں؟ پھر علم کے ساتھ عمل میں بڑا ہی مزا ہے۔ اس موقع پر حضرت مولانا تھانویؒ یہ شعر پڑھا کرتے تھے ؎

جُرعہ خاک آمیز چوں مجنوں کند　　　صاف اگر باشد ندانم چوں کند

(۱۱) فرمایا روح المعانی میں لکھا ہے کہ اگر کوئی شخص وصیت کر جائے، کہ میرا مال سب سے زیادہ سمجھدار کو دینا تو در مختار وغیرہ میں لکھا ہے کہ سب سے زیادہ سمجھدار وہ ہے جو آخرت کی فکر و سمجھ رکھتا ہو۔

(۱۲) فرمایا مال کو فضول ضائع نہ کرو، یہ قیمتی چیز ہے، مُسرف مرتد ہو جاتا ہے بخیل مرتد نہیں ہوتا۔ بخل اگرچہ بُری چیز ہے۔ مگر اسراف اس سے بھی زیادہ بُرا ہے۔

(۱۳) فرمایا حصن حصین میں ہے کُلُّ مُطِیۡعٍ ذَاکِرٌ یعنی "ہر اطاعت کرنے والا ذاکر ہے" ذکر کی دو قسمیں ہیں، ایک اللہ اللہ کرنا۔ دوسرے شریعت کے احکام کی پابندی کرنا۔

(۱۴) فرمایا نماز میں حق تعالیٰ سے باتیں کرنی ہوتی ہیں اور اُن سے ہمکلام ہونا ہوتا ہے۔ خدا تعالیٰ سے ہمکلام ہونا کتنی بڑی دولت ہے۔ مجنوں کو لیلے سے ہمکلام ہونے کا موقع ملتا تو یہ کبھی نہ کہتا کہ میں آپ سے ہمکلام تو ہوتا ہوں، لیکن یہ بتائیں کہ آپ مجھ کو کیا انعام دیں گی؟ اسی سلسلہ میں فرمایا کہ فلسفی پر دین کے اسرار منکشف نہیں ہوتے۔ دین کے اسرار تو تقویٰ سے منکشف ہوتے ہیں۔ پھر یہ شعر پڑھے ؎

آزمودم عقلِ دُور اندیش را　　　بعد ازیں دیوانہ سازم خویش را

یہاں دیوانگی سے مراد عشق و محبت ہے ؎

گر بہ استدلال کارِ دیں بُدے　　　فخر رازی رازدارِ دیں بُدے

پائے استدلالیاں چوبیں بوَد　　　پائے چوبیں سخت بے تمکیں بوَد

(۱۵) فرمایا جس وقت کوئی مرتا ہے وہی وقت اس کیلئے مناسب ہوتا ہے اس میں تکوینی مصلحتیں ہوتی ہیں۔ نہ ایک منٹ آگے، نہ ایک منٹ پیچھے۔

(۱۶) فرمایا محبت، اعتقاد، حال، یہ چیزیں صحبتِ صالحین سے حاصل ہوتی ہیں

علم رسمی سربسر قیل است وقال ۔۔۔ نے ازو کیفیتے حاصل نہ حال

قال را بگذار مردِ حال شو! ۔۔۔ پیشِ مردِ کاملے پامال شو

گفتۂ او گفتۂ اللہ بود! ۔۔۔ گرچہ از حلقوم عبداللہ بود

اسی سلسلہ میں اُستُنِ حنّانہ کا واقعہ بیان فرمایا اور اونٹوں کے نحر (قربانی) کرنے کا واقعہ بھی بیان فرمایا۔ کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف اونٹ قربانی کے لئے خود آگے بڑھتے تھے، اسی ضمن میں فرمایا کہ جان کندن بھی آنے والی ہے۔ اور قبر بھی آنے والی ہے۔ تو لمبے راستہ کا مسافر ہے۔ بڑا سفر کرنا ہے۔ بے فکر نہیں ہونا چاہیئے۔ جنت میں ہر داخل ہونے والے کو اللہ تعالیٰ خود السلام علیکم فرمائیں گے۔ ایک تو جنت میں داخل ہونا ہے۔ اور ایک داخل ہونا عزت کے ساتھ ہے۔ عزت کے ساتھ داخل ہونا اور بات ہے۔ حضرت امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں۔ کہ جب سے یہ مجھ کو معلوم ہوا کہ جنت میں احباب سے ملاقاتیں ہوں گی۔ والدین و صالحین کی زیارتیں بھی ہوں گی، اس وقت سے مجھ کو جنت کی آرزو زیادہ ہوگئی ؎

پائے در زنجیر پیشِ دوستاں ۔۔۔ بہ کہ با بیگانگاں در بوستاں

فرمایا کہ حضرت مجدد صاحب سرہندیؒ فرماتے ہیں۔ کہ کسی طاعت کرنے کے بعد

جب تک مجھے اس میں سو روگ نہ معلوم ہو جائیں، مجھے صبر نہیں آتا۔

(۱۷) فرمایا کہ نفس کو لگام دے کر رکھنا چاہیئے۔ اس کو گناہ کی لذت سے آشنا نہ ہونے دے۔ ہمت کر کے اپنے آپ کو گناہ سے روکے۔ اگرچہ نفس کو لگام دینے میں مشقت ہوتی ہے۔ اندر سے تقاضا ہوتا ہے گناہ کرنے کا۔ مگر گناہ کرنے سے اس سے زیادہ اور بڑی مشقت میں مبتلا ہو جاتا ہے۔

(۱۸) فرمایا کہ حضرت خواجہ صاحبؒ کا ارشاد ہے کہ جب نفس میں گناہ کا تقاضا پیدا ہو تو بھانپ جائے کہ لوٹ کا وقت آگیا ہے۔ یعنی اس تقاضا کا مقابلہ کرنے میں ہوگی مشقت۔ اور مشقت پر ثواب ملے گا۔ اس طرح یہ تقاضا قربِ حق کا ذریعہ بن جائیگا۔

(۱۹) ایک سالک کی باطنی کیفیت کے سلسلہ میں فرمایا کہ مرض وہ ہے جو معصیت ہو یا مبدار ہو معصیت کا۔ اسی سلسلہ میں حضرت مولانا تھانویؒ کا ارشاد نقل فرمایا کہ تھانہ بھون میں کسی صاحب کو اپنے متعلق ایک باطنی کیفیت کا دھوکہ لگا۔ حضرت والا تھانویؒ نے فرمایا کہ یہ کیفیت بطنی ہے باطنی نہیں۔ جاؤ کسی حکیم صاحب سے اس کا علاج کراؤ۔ اگر علاج کے لئے پیسے نہیں ہیں تو مجھ سے لے لو۔

(۲۰) ایک موقع پر علاقہ دش ایبٹ آباد کے علمار کے سلسلے میں افسوس کے ساتھ فرمایا کہ کتابیں پڑھے ہوئے مل جاویں گے۔ مدرسہ دیوبند کے فارغ بھی مل جاویں گے لیکن اللہ اللہ کرنے والا مولوی شاذ و نادر ہی کوئی ملتا ہے۔

(۲۱) فرمایا بقول حضرت مجدد الف ثانی سرہندیؒ دین کا ایک مسئلہ سیکھنا اور

سمجھانا اللہ تعالےٰ کے راستہ میں کروڑ ہا روپیہ خرچ کرنے سے بڑھ کر ہے۔ مکتوبات امام ربّانی سرہندیؒ حصّہ دوم مکتوب چہل و ہشتم سے یہ مضمون نکال کر بعد مغرب دکھایا ساتھ یہ بھی فرمایا کہ اس کو تعویذ بنا کر رکھو۔ حضرت مجدّد صاحبؒ کے مندرجہ بالا مکتوب کے الفاظ یہ ہیں۔

"پس بزرگترین خیرات سعی در ترویج شریعت است و احیاء حکمے از احکام آں علی الخصوص در زمانے کہ شعائرِ اسلام منہدم شدہ باشند، کرور ہا در راہِ خدائے عزو جل و علا خرچ کردن برابر آں نیست کہ مسئلہ از مسائلِ شرعیہ را رواج دادن ـــــ و انفاق جیتلے بایں نیت برابر خرچ لکہا ست در غیر ایں نیت"

"پس سب سے بڑی نیکی، شریعت مقدسہ کو ترویج دینے کی کوشش کرنے اور اسکے کسی حکم کو زندہ کرنے میں ہے۔ خاص کر جس زمانے میں کہ شعائر اسلام مٹتے چلے جا رہے ہوں، خدائے عزو جل و علا کی راہ میں کروڑ ہا روپے خرچ کرنا بھی اس کے برابر نہیں کہ مسائل شرعیہ میں سے کسی مسئلہ کو رواج دینا ـــــ اور اس نیت سے ایک کوڑی خرچ کرنا۔ دُوسری کسی نیت سے لاکھوں کے خرچ کے برابر ہے۔"

(یہاں پر اس مفصل مکتوب کا صرف وہی حصّہ نقل کیا گیا ہے جس کا ذکر اس ملفوظ میں ہے۔ ورنہ پورا مکتوب اسی مسئلہ کے بیان میں ہے۔ حضرت مجدد صاحب قدس سرہٗ نے دلائل و براہین سے اس بات کو ثابت فرمادیا ہے۔ اور عالم دین کی فضیلت کو صوفی پر خوب بیان فرمایا ہے کئی ایک اعتراضات کا جواب بھی دیا ہے۔ غرض پورا مکتوب

حضرت مجدد صاحب قدس سرہٗ کا قابلِ دید ہے۔ یہ مکتوبات ایک عرصہ سے نایاب تھے مگر اب بفضلہٖ تعالیٰ محکمۂ اوقاف کی طرف سے ان کو شائع کر دیا گیا ہے اگرچہ قیمت زیادہ معلوم ہوتی ہے مگر وہ مصداق ہے اس امر کا : ؎

جمادی چند دادم جاں خریدم ۔۔۔ بحمد اللہ عجب ارزاں خریدم

(۲۲) احقر سے فرمایا کہ "اکمال الشیم" پڑھی ہے؟ بندہ نے عرض کیا جی ہاں کافی عرصہ ہوا، پڑھی تھی۔ فرمایا کہ اکمال الشیم پڑھا کرو۔

(۲۳) فرمایا کہ معصیت کرنے سے انسان اپنا ہی نقصان کرتا ہے۔ اسی لئے اللہ تعالیٰ ناراض ہوتے ہیں کہ اس نے اپنے اوپر ظلم کیا۔ انسان کے نقصان پر خفا ہونے میں اللہ تعالیٰ کی رحمت پائی جاتی ہے اور رحمت کی سوچ و فکر سے محبت پیدا ہوتی ہے اور محبت سے عمل کی توفیق حاصل ہوتی ہے اور عمل سے قرب و رضائے حق تعالےٰ جیسی نعمتیں حاصل ہوتی ہیں۔

(۲۴) فرمایا کہ توبہ بے شک تریاق ہے۔ مگر اس سے گناہ کی ہمت نہ ہونی چاہیئے جیسے تریاق اگر ہاتھ آجائے تو سانپ سے چھیڑ کرنا بے وقوفی ہے۔ اسی طرح توبہ کے بھروسہ پر گناہ کرنا سخت غلطی ہے۔ نفس کو اگر گناہ کی چاٹ لگ جائے تو پھر اس کو روکنا بہت مشکل ہے۔

(۲۵) فرمایا فرعون کے جادوگروں میں ادب پایا جاتا تھا۔ اس لئے نورِ ایمان سے منور ہوئے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام کی قوم بے ادب تھی۔ چنانچہ لَنْ نُّؤْمِنَ لَكَ (الآیہ)

تمہارا ہرگز اعتبار نہ کریں گے) میں ایمان کے ساتھ لام آیا ہے جس کے معنی یقین و اعتبار کے ہیں۔ ورنہ ایمان کے ساتھ (ب) آتی ہے۔ جیسے آمَنْتُ بِاللّٰہِ (میں اللہ پر ایمان لایا) حضرت موسیٰ علیہ السلام نے قوم عمالقہ سے جہاد کا حکم فرمایا تھا۔ انہوں نے جواب میں اِذْهَبْ اَنْتَ وَرَبُّكَ فَقَاتِلَآ اِنَّا هٰهُنَا قَاعِدُوْنَ (جایئے آپ اور آپ کا رب جہاد کریں ہم تو یہیں بیٹھے ہیں) کہا۔ جو بڑی گستاخی کا جواب ہے۔ اسی لیے حق تعالیٰ کا ان پر یہ عتاب ہوا کہ چالیس سال ان کو تیہ کے میدان میں رکھا۔ اس طرح کہ صبح سے شام تک وہاں سے نکلنے کے لئے چلتے مگر شام کو وہیں کے وہیں رہتے۔ راستہ نہ ملتا۔

(۲۶) فرمایا لذت تو دین میں ہے۔ علماء علم کی تحقیق اور چھان بین میں بڑی لذت پاتے ہیں۔ اس ضمن میں نماز میں لذت کا بیان بھی فرمایا۔

(۲۷) ایک سلسلۂ گفتگو میں فرمایا کہ انہی لوگوں کے ساتھ گذارا کرنا ہے فرشتوں کے ساتھ تو نہیں کرنا۔ لوگ جیسے بھی ہوں گذارا کرنا چاہیئے۔

(۲۸) فرمایا مخلوق حق تعالیٰ کا مظہر ہے اور حق تعالیٰ ظاہر ہیں۔

(۲۹) فرمایا خوف و محبت دو سٹرکیں ہیں سلوک الی اللہ کے لئے۔

(۳۰) فرمایا بقول حضرت مجدد صاحب سرہندیؒ وجد وغیرہ تو ہند کے جوگیوں کو بھی حاصل ہو جاتا ہے۔ اصل چیز ایمان اور عمل صالح ہے۔ ذکر اللہ کی خاصیت ہے کہ اس سے کیفیاتِ باطنہ یعنی وجد و کشف وغیرہ ہونے لگتے ہیں لیکن یہ مقصود نہیں،

(۳۱) بحوالہ حضرت والا تھانویؒ فرمایا کہ کوئی صاحب کسی کے مکان پر گئے

اور صاحب خانہ کو پوچھا۔ گھر میں سے جواب ملا کہ گھر میں نہیں ہیں۔ انہوں نے سوال کیا کہ "کہاں گئے ہیں" ؟ اور فوراً ان کو احساس ہوا۔ کہ یہ دُوسرا سوال میں نے بے فائدہ کیا اور اپنے اس بے فائدہ کلام کرنے پر اُن کو اس قدر صدمہ ہوا۔ کہ تین سال تک روتے رہے۔ وجہ یہ کہ اول تو یہ کلام بے فائدہ اور پھر یہ کہ ہوسکتا ہے کہ یہ بتانا کہ وہ کہاں گئے ہیں، گھر والوں کی مصلحت کے خلاف ہو۔

اس پر فرمایا کہ یہ وہی شخص کر سکتا ہے۔ جو لایعنی کلام کی ظلمت سے آشنا ہو۔ بیکار اور لایعنی بولنے سے قلب میں ایک ظلمت پیدا ہوجاتی ہے۔ اس لئے کلام کرنے سے پہلے اچھی طرح سوچ لے کہ اس کلام سے کوئی فائدہ بھی ہے یا نہیں، فائدہ خواہ دنیا کا ہو یا دین کا۔ اور جس بات کے کرنے سے نہ دُنیا کا کوئی نفع نہ دین کا۔ اس سے قلب میں ظلمت پیدا ہوتی ہے۔ اس سے احتراز کرنا چاہیئے۔

(۳۲) فرمایا کہ حضرت تھانویؒ کی خدمت میں کسی نے عرض کیا کہ کوئی ایسی صورت ہو کہ گناہ کا تقاضا ہی نفس کے اندر نہ پیدا ہو۔ جواب میں فرمایا۔ کیا تم دیوار بننا چاہتے ہو؟ جماد ہونا چاہتے ہو؟ تقاضا تو ہوگا۔ مگر تمہارا کام اس پر عمل نہ کرنا ہے۔ چند دفعہ کے مقابلہ اور نفس کے خلاف کرنے سے نفس خود بخود ڈھیلا پڑ جاتا ہے اور کمزور ہو جاتا ہے۔ بقول حضرت خواجہ مجذوب صاحبؒ جب نفس کے اندر گناہ کا تقاضا پیدا ہو تو سمجھو کہ لوٹ کا وقت آگیا (جیسا کہ پہلے گذرا)۔

(۳۳) فرمایا حضرت مرزا مظہر جان جاناںؒ فرماتے ہیں اگر مجھ کو لیلۃ القدر

مل جائے تو میں یہ دُعا کروں کہ صحبتِ نیک عطا فرمائیں، خدائے تعالےٰ سے صحبت نیک مانگوں۔

(۳۴) فرمایا کہ تمام تمنائیں تو جنت ہی میں پوری ہوں گی۔ وہاں جو چاہو گے مل جائے گا۔ دنیا میں تو تسلی ہوتی نہیں بلکہ تجلی ہوتی ہے۔

(۳۵) غیر مقلدین کے سلسلہ میں فرمایا کہ حضرت تھانویؒ فرماتے تھے کہ اگر سلف کی شان میں بدگمان اور بدزبان نہ ہوں تو پھر بے شک یہ رفع یدین کریں یا آمین بالجہر کہیں۔ اسی سلسلہ میں مولانا داؤد غزنویؒ کے والد مولانا عبدالجبار صاحبؒ کا ذکر فرمایا کہ انہوں نے اپنے بیٹوں کو یہ نصیحت کی کہ کسی مسئلہ میں اپنی رائے اور فیصلہ کو اُس وقت تک صحیح نہ جاننا جب تک کہ اس میں ائمۂ مجتہدین میں سے کوئی امام تمہارے ساتھ نہ ہو۔ اور مولوی عبدالجبار صاحبؒ کے والد مولوی عبداللہ صاحبؒ کے بارے میں فرمایا کہ وہ کہا کرتے تھے جو امام ابوحنیفہؒ کی شان میں گستاخی کرتا ہے۔ وہ آخر کار ضرور مرتد ہو جاتا ہے۔ ارتداد سے خالی نہیں رہتا۔ چنانچہ ایک شخص نے اُن کے سامنے حضرت امام ابوحنیفہؒ کی شان میں گستاخی کی اس پر مولوی عبداللہ صاحبؒ نے فرمایا کہ یہ ضرور مرتد ہو جائے گا۔ چنانچہ تھوڑے ہی دن کے بعد وہ مرزائی ہو گیا، مولوی عبداللہ صاحبؒ غیر مقلد ابن حزم کی کتابوں کے مطالعہ سے منع فرماتے تھے، کیونکہ ابنِ حزم امام ابوحنیفہؒ کی شان میں گستاخ ہے۔

(۳۶) ایک صاحب کے استفسار کے جواب میں فرمایا کہ ایصالِ ثواب

میں حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم، حضرات صحابۂ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین اور دیگر اولیائے کرام اور اقارب غرضیکہ سب مسلمانوں کو ثواب میں شریک کرنا چاہیئے اس طرح ایصالِ ثواب کرنے والے کے ثواب میں بھی کمی واقع نہیں ہوگی اور باقی سب کو بھی پورا ثواب ملے گا۔ اس کو ایک مثال سے سمجھایا کہ ایک روشن چراغ سے اور چراغ روشن کیئے جائیں۔

(۲۷) فرمایا اہلِ دنیا کی غفلت اصحابِ کہف کی طرح ہے اس سلسلہ میں یہ شعر پڑھا ؎

پس از سی سال ایں معنی محقق شُد بخاقانی
کہ یک دم با خُدا بُودن ، بہ از ملکِ سُلیمانی

اور اسی ضمن میں حضرت سلیمان علیہ السلام کا واقعہ نقل فرمایا جو تفسیر روح المعانی نے سند کے ساتھ بیان کیا ہے۔ کہ حضرت سلیمان علیہ السلام کو اللہ تعالیٰ نے ایسی سلطنت عطا فرمائی تھی کہ اس کی نظیر نہیں۔ چنانچہ جس وقت ان کا دربار ہوتا تھا۔ تو تخت شاہی اتنا وسیع تھا کہ اس پر چھ لاکھ کرسیاں سونے اور چاندی کی بچھتی تھیں جن پر اُس وقت کے پیغمبر علیہم السلام اور حضرت سلیمان علیہ السلام کے صحابۂ کرام اور علمائے و صلحائے اور امراء ، و وزراء بیٹھتے تھے۔ پھر پرندوں کو حکم ہوتا تھا کہ اس پر اپنے پروں سے سایہ کریں اور ہوا کو جاسوسی کا کام سپرد تھا کہ روئے زمین پر جہاں کہیں ہمارے متعلق کوئی بات کہی جائے۔ اس کو پہنچا دو اور جب تخت پر دربار منعقد ہوتا تو ہوا کو

حکم دیا جاتا کہ اس کو لے کر اُڑے۔ چنانچہ ہوا اُس کو لے کر اُڑتی تھی۔ ایک مرتبہ اسی شان اور شوکت کے ساتھ آپ کا تخت جا رہا کہ کسی شخص نے تعجب سے کہا کہ :۔

سُبْحَانَ اللّٰهِ مَاذَا أُوْتِيَ اٰلُ دَاوُدَ یعنی سبحان اللہ آلِ داؤد اللہ نے کیا کچھ دیا ہے۔

ہوا نے فوراً حضرت سلیمان علیہ السلام کی خدمت میں اس شخص کی یہ بات پہنچا دی آپ نے اس کو بلوایا۔ اور پوچھا کہ تم نے ہمارے بارے میں کیا کہا؟ وہ شخص کچھ ڈرا۔ مگر حضرت سلیمان علیہ السلام نے اس کو تسلی دی تو اس نے عرض کیا کہ میں نے آپ کا ساز و سامان اور شان و شوکت دیکھی اور اس پر یہ کہا کہ "سبحان اللہ ماذا اوتی آل داؤد"

حضرت سلیمان علیہ السلام نے فرمایا کہ :۔

لَتَسْبِيْحَةٌ وَاحِدَةٌ خَيْرٌ یقیناً ایک دفعہ سبحان اللہ کہنا میری

مِمَّا أُوْتِيَ اٰلُ دَاوُدَ تمام سلطنت سے ہزار درجہ بہتر ہے

معنی یہ کہ تو نے میری سلطنت اور جاہ و حشم کو تو دیکھا اور اپنے اس کلمے کو نہ دیکھا جو تیری زبان سے نکلا یعنی "سُبْحَانَ اللّٰه" کہ یہ کلمہ تمام دُنیا وما فیہا سے عنداللہ بہتر ہے۔

اب انسان گھڑی لے کر بیٹھ جائے اور دیکھے کہ ایک منٹ میں کتنی بار سبحان اللہ کہہ سکتا ہے؟ اور ایک دفعہ سبحان اللہ کہنے کی یہ قیمت ہے تو انسان اپنا کتنا نقصان کر رہا ہے۔ اس کا پتہ انسان کو مرنے کے بعد چلے گا۔ کہ غفلت میں گذرا ہوا وقت اس کے لئے کس قدر حسرت کا باعث ہوگا۔

(۳۸) روح کا جسم کے ساتھ تعلق ثابت کرتے ہوئے فرمایا کہ میری ایک ٹانگ کٹی ہوئی ہے۔ لیکن درد ابھی تک بھی اس کٹ کر دفن کئے جا چکے پیر اور ٹانگ میں محسوس ہوتا ہے۔ اس وقت بھی میں یہ محسوس کرتا ہوں کہ جیسے ٹانگ زمین میں دھنسی ہوئی ہے اور پیر کو گرمی پہنچ رہی ہے۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ رُوح کا جسم سے الگ ہو جانے کے بعد بھی تعلق رہتا ہے اور ڈاکٹر نے بھی ٹانگ کاٹنے سے پہلے مجھ سے کہا تھا کہ اس کے بعد بھی درد محسوس ہوتا رہے گا۔ لیکن وہ اس کی وجہ نہیں بتا سکتے۔ اس ضمن میں یہ بھی فرمایا کہ ہسپتال میں میرے کمرے کے متصل ایک عورت تھی جس کا بازو کاٹا گیا تھا۔ وہ بھی تکلیف کے وقت یہی ظاہر کرتی تھی کہ مجھ کو ایسا معلوم ہو رہا ہے کہ میری انگلیاں درد کر رہی ہیں حالانکہ اس کا بازو ہاتھ سمیت کٹا ہوا تھا۔ اس سے یہ سمجھ لیں کہ جسم کی تکلیف روح پر اثر انداز ہوتی ہے۔ جسم خواہ جدا بھی ہو جائے، لیکن روح کو اس سے علاقہ رہتا ہے۔

(۳۹) فرمایا کہ موت بھی ایک بہُت بڑا انقلاب ہے اس پر ایک بزرگ کا واقعہ نقل فرمایا کہ وہ تیس سال تک نہیں ہنسے۔ کسی نے پوچھا تو جواب میں فرمایا کہ ہنسی کیسے آئے اُس کو کہ جس کو اپنے خاتمے کا پتہ ہی نہیں۔ خدائے تعالےٰ نے ہم سے وعدہ نہیں فرمایا کہ تمہاری مغفرت یقینی ہے اور ہم تم کو بخش ہی دیں گے، سبحان اللہ جب ان بزرگ کا انتقال ہوا تو غسل دیتے وقت ان کی ہنسی دیکھی گئی۔ معلوم ہوتا ہے کہ اللہ تعالےٰ نے بخش دیا تو تختۂ غسل پر ہنسی ظاہر فرمائی تاکہ مخلوق

کو ان کے درجات کا پتہ چل جائے۔

(۴) فرمایا کہ ایک صاحب نے اپنے بیٹوں کو نصیحت کی تھی کہ جب میں مر جاؤں تو میرے جسم کو جلا کر راکھ کر دینا باقی جو ہڈیاں رہ جائیں انہیں پیس کر اڑا دینا۔ جب اس کے مرنے کے بعد ایسا کیا گیا۔ تو حق تعالیٰ نے تمام ذرات کو جمع کر کے پوچھا کہ ایسا کیوں کیا؟ عرض کیا یا اللہ اس واسطے کہ مجھے آپ کے عذاب سے ڈر لگتا تھا۔ تو حق تعالیٰ نے فرمایا کہ چونکہ تمہارے اندر میرا ڈر تھا۔ تو پھر ہم تمہاری نجات کرتے ہیں اور بخش دیتے ہیں۔ مگر یہ معاملہ خاص اسی شخص کے ساتھ تھا، کیونکہ اس کا فہم اتنا ہی تھا۔

حضرت والا کو خاتمہ بالخیر کی اس قدر فکر تھی کہ تقریباً ہر مجلس میں اس کی اہمیت اور فکر کو ظاہر فرمایا کرتے تھے۔ چنانچہ یہ دونوں ملفوظ بھی اسی سلسلے کے ہیں۔ ایک دفعہ جناب قاری خدابخش صاحب مدظلہم عیادت کے لئے حاضرِ خدمت ہوئے، تنہائی تھی اور طبیعت کافی روز سے ناساز تھی ابتدائی گفتگو کے بعد ہی ذکر ہوا، کہ بس سب سے بڑی نعمت تو یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ ایمان پر خاتمہ نصیب فرمائے اور فرماتے فرماتے بڑی فکر سے فرمایا کہ "حافظ جی! اگر مرتے وقت خدانخواستہ ایمان نہ ملا تو ؟ ـــــــ" یہ فرما کر آواز متغیر ہو گئی اور آنکھوں میں آنسو چھلک گئے۔ قاری صاحب نے فرمایا کہ "حضرت خدا کا شکر ہے ایمان حاصل ہے اور ان شاء اللہ وہ اپنے فضل سے مرتے وقت بھی اس نعمت سے محروم نہیں فرمائیں گے۔" فرمایا کہ "بے شک اس

وقت تو یہ دولت حاصل ہے مگر کیا ذمہ داری ہے کہ مرتے وقت بھی ایمان ملے گا، اگر نہ ملا تو ـــــ" یہ فرما کر مزید رقت اور گریہ طاری ہوگیا۔ اور اپنے کو سنبھال کر بآواز بلند کئی بار فرمایا کہ :

یا اللہ ایمان ـــ یا اللہ ایمان ـــ یا اللہ ایمان

(۴۱) دہریوں کے سلسلہ میں فرمایا کہ آج کل لوگ کہتے ہیں کہ مذہب کچھ نہیں، مادہ پرستی اور ظاہر پرستی کا غلبہ ہے۔ ان سے کوئی پوچھے کہ زمین کو کس نے تھام رکھا ہے اور کون اس کو اٹھائے ہوئے ہے۔ اور بغیر ستون کے آسمان کس پر کھڑا ہے؟ وغیرہ۔

(۴۲) فرمایا کہ ورثہ میں سوئی سلائی تک ملتی ہے اور اس کا حساب ہوتا ہے۔ پیغمبرؐ کے ورثہ میں معجزات بھی ہیں تو اس سے اولیائے کرام اور خواصِ اُمت کو کرامات عطا ہوئیں۔

(۴۳) تواضع کے سلسلہ میں فرمایا کہ تواضع کرنے کو اپنا حق اور منصب سمجھے اور اس سے بیخبر ہوکر تواضع کرے۔ متواضع اگر اپنی تواضع سے خبردار رہے گا تو وہ صورتِ تواضع ہوگی۔ حقیقی تواضع نہ رہے گی۔ جیسے نیند والا اگر اپنی حالتِ نیند سے خبردار ہے تو وہ صحیح نیند نہ کہلائے گی۔

(۴۴) سورۂ عصر کی تفسیر کرتے ہوئے فرمایا کہ :-

وَالْعَصْرِ اِنَّ الْاِنْسَانَ قسم ہے زمانہ کی بے شک جملہ

لَفِیْ خُسْرٍ انسان خسارے میں ہیں۔

امام رازیؒ نے لَفِیْ خُسْرٍ کے یہ معنی بیان کئے ہیں کہ "انسان خسارے میں گھرا ہوا ہے" لَفِیْ خُسْرٍ فرمایا لَہٗ خُسْرٌ نہیں فرمایا۔

وَالْعَصْرِ اِنَّ الْاِنْسَانَ لَفِیْ خُسْرٍ یعنی "قسم ہے وقت کی" یہ قسم قائم مقام گواہ کے ہے اور فرمایا کہ "خُسْرٌ" اس خسارہ کو کہتے ہیں جو نُقْصَان فِی التِّجَارَۃ ہو یعنی "ہم نے تم کو راس المال دیا۔ سرمایہ دیا جو کہ وقت اور زمانہ ہے اور تم نے اسے ضائع کر دیا"

(۴۵) فرمایا معصیت کے لئے زمان اور مکان دونوں کی ضرورت ہے۔ زمان تو چلا جاتا ہے مگر مکان رہتا ہے۔ اسی ضمن میں وقت کی قدر اور مراقبۂ موت اور وقت کی قدر کے متعلق یہ شعر پڑھے :۔ ؎

ہو رہی ہے عمر مثلِ برف کم رفتہ رفتہ چپکے چپکے دم بدم
سانس ہے اک رہ روِ مُلکِ عدم دفعتًہ اِک روز یہ جائے گا تھم

(۴۶) فرمایا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے دجّال کو بیت اللہ کا طواف کرتے ہوئے دیکھا۔ بحوالہ حضرت حاجی صاحبؒ فرمایا کہ وہ اللہ تعالیٰ کی صفتِ اضلال کا طواف کر رہا تھا کہ وہ صفتِ اضلال کا مظہر ہے۔

(۴۷) فرمایا کہ گناہ سے بچنا چاہیئے۔ یہ مہلک زہر ہے۔ گناہ کرنا ایسا ہے جیسے سنکھیا کھانا۔ ایک شخص ہے۔ پلاؤ بھی کھاتا ہے۔ مرغ بھی اور دوسرے عمدہ عمدہ کھانے بھی کھاتا ہے۔ لیکن ساتھ ہی سنکھیا بھی کھاتا ہے۔ دوسرا شخص ہے

کہ وہ صرف مکئی کی خشک روٹی کھاتا ہے۔ بغیر سالن کے لیکن سنکھیا نہیں کھاتا تو یہ دوسرا شخص پہلے سے بہت اچھا ہے۔ اسی ضمن میں فرمایا کہ خواہ اعمال حسنہ کم ہی کرے۔ یعنی فرائض و واجبات کے علاوہ کچھ نہ کرے۔ لیکن سنکھیا نہ کھائے یعنی گناہ نہ کرے۔ یہ اس سے اچھا ہے۔ جو تہجد بھی پڑھتا ہے۔ تلاوت بھی بہت کرتا ہے۔ ذکر وغیرہ میں بھی مصروف رہتا ہے۔ لیکن ساتھ ہی سنکھیا بھی کھاتا ہے یعنی گناہ بھی کرتا ہے۔ جو ان تمام اعمال کو ضائع کر دیتے ہیں۔

(۴۸) فرمایا کہ حضرت مولانا پیر مہر علی شاہ صاحبؒ گولڑوی کے یہاں اگر کوئی عالم آجاتا تو حضرت پیر صاحبؒ اس سے علمی چھیڑ چھاڑ شروع کر دیتے تھے اور اس پر اپنا تسلط جمانا چاہتے تھے۔ ایک مولوی صاحب درویش ہر یپور والے سے جمعہ کے متعلق گفتگو ہوئی۔ مولوی صاحب درویش نے جمعہ کی شرط کے متعلق سوال کیا۔ تو پیر صاحب نے فرمایا کہ شرط لَوْلَاهُ لَامُتَنَعَ ہے یا شرط بمعنی مُصحّح لدخول الفا ہے۔ اس ضمن میں فرمایا کہ پیر صاحب تو اس فن کے امام تھے۔ مولوی صاحب نہ چل سکے اور خاموش ہو گئے۔ فرمایا کہ حضرت پیر صاحب گولڑوی کی تعریف حضرت حکیم الامت تھانویؒ نے کی ہے۔

(۴۹) مولوی قاری خدا بخش صاحب مدظلہٗ (خلیفہ حضرت مفتی صاحبؒ) کے استاد قاری محب الدین صاحب مدظلہٗ بعد نماز عصر حضرت مفتی صاحبؒ کی خدمت اقدس میں احقر کی موجودگی میں حاضر ہوئے۔ حضرت نے فرمایا کہ انسان نماز

کی ہر رکعت میں کئی مرتبہ حق تعالیٰ سے مخاطب ہوتا ہے۔ لیکن دِل اللہ تعالیٰ کی طرف پیٹھ کیئے ہوئے ہوتا ہے۔ قلب کا رُخ ٹھیک نہیں ہوتا۔ دُنیا کے حاکم کے ساتھ ہم اس طرح پیٹھ کر کے گفتگو کریں، دیکھیں پھر کیا سزا ملتی ہے۔

(۵۰) فرمایا حضرت مولانا تھانوی جونپور تشریف لے گئے۔ وہاں ایک عالم مولوی عبدالاول صاحب بریلوی تھے۔ حضرت کے وعظ کا اعلان ہوا بہت لوگ جمع ہوئے۔ وعظ سے پہلے حضرت قدس سرہٗ کو باہر سے کسی نے پرچہ بھیجا کہ سنبھل کر وعظ کہنا، تم کافر ہو۔ تمہارا نسب معلوم نہیں۔ حضرتؒ نے وعظ سے پہلے حاضرینِ جلسہ کو اس پرچہ کا مضمون سنایا۔ اور پھر پہلی بات کا جواب یہ فرمایا کہ وعظ کہنا میرا پیشہ نہیں ہے کہ وعظ سے میں پیسے کماؤں۔ دُوسری بات کا جواب یہ دیا کہ اگر میں پہلے کافر تھا تو سنو اب سب کے سامنے کلمہ پڑھتا ہوں۔ اَشْهَدُ اَنْ لَّآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَاَشْهَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُهٗ وَرَسُوْلُهٗ۔ تیسری بات کا جواب یہ دیا کہ میں یہاں کوئی رشتہ کرنے نہیں آیا ہوں کہ اپنا نسب ظاہر کروں۔ سبحان اللہ کیا ہی برجستہ اور موزوں جواب تھے۔ اس کے بعد مجمع والوں سے پوچھا کہ اگر کوئی میرا وعظ ہونا پسند نہ کرتا ہو تو ہاتھ کھڑا کرے۔ سب طرف سے آوازیں آئیں کہ آپ ضرور وعظ فرمائیں۔ پھر حضرت والا تھانویؒ نے فرمایا کہ مجمع میں سے اگر کوئی ایک شخص بھی یہ کہہ دے گا۔ کہ آپ وعظ نہ کہیں تو میں وعظ نہیں کہوں گا لیکن کوئی نہ بولا، تو مولوی عبدالاول صاحب اُٹھے اور کہا میں مولودی ہوں، ہر مہینے

مولود اور گیارہویں کرتا ہوں۔ لیکن حق یہی ہے جو انہوں نے بیان فرمایا ہے۔ وعظ کے ختم پر شمس بازغہ کے محشی مولوی ہدایت اللہ صاحب اُٹھے اور کہا کہ حاضرین کل اس وعظ کی میں اصلاح کروں گا۔ دوسرے دن وہ آئے لیکن لوگوں نے کہا کہ وعظ وہی ہے مولانا تھانویؒ کل فرما چکے ہیں۔

(۵۱) فرمایا کہ لکھنؤ کے زمانۂ قیام میں مولانا عین القضاۃ صاحب کی مسجد میں حضرت تھانویؒ صبح کی نماز کے لئے تشریف لے گئے۔ اتفاق سے اس وقت مسجد کے امام صاحب موجود نہ تھے۔ موذن نے مولانا عین القضاۃ صاحب کو اطلاع دی، کہ امام صاحب نہیں ہیں اور حضرت مولانا تھانوی صاحبؒ تشریف فرما ہیں۔ اجازت دیں تو انہیں نماز پڑھانے کے لئے کہا جائے۔ چنانچہ مولانا عین القضاۃ صاحب ہی کے کہنے پر حضرت والاؒ نے نماز پڑھائی۔ بعد نماز جلدی مولوی عین القضاۃ صاحب مکان پر چلے گئے۔ مکان سے حضرت مولانا تھانویؒ کی طرف آدمی بھیجا کہ ان کو ساتھ لے آؤ۔ جب حضرت تھانویؒ مکان پر پہنچے تو مولانا عین القضاۃ صاحب نے فرمایا کہ آج صبح نماز میں بہت ہی لطف آیا۔ ایسا قرآن مجید میں نے نہیں سُنا۔ جی چاہتا ہے کہ آپ سے اور بھی سنوں۔ چنانچہ حضرت والاؒ نے ان کی خواہش پر تقریباً پاؤ پارہ قرآن مجید سنایا۔ کتاب تنبیہ الطربی میں حضرت والاؒ نے جہاں "بعض منسوب الی المشیخۃ والعلم" فرمایا ہے۔ اس سے مراد یہی عین القضاۃ صاحب ہیں۔ اس پر حضرت مفتی صاحبؒ نے فرمایا کہ حضرت مولانا تھانویؒ بھی عجیب وغریب آدمی تھے

پھر یہ شعر پڑھا : ؎

آفاقہا گردیدہ ام، مہر بتاں ورزیدہ ام   بسیار خوباں دیدہ ام لیکن تو چیزے دیگری

(۵۲) فرمایا کہ پٹنہ کے ایک نیک بدعتی کے خط کے جواب میں حضرت مولانا تھانوی ؒ نے تحریر فرمایا کہ مولانا احمد رضا خان صاحب کی کتابیں میں نے دیکھیں، مجھ کو اُن سے اعتقاد نہیں ہے۔ اور انتقاد کی عادت نہیں ہے۔

(۵۳) فرمایا کہ حضرت مولانا اعزاز علی صاحب نے حضرت تھانوی ؒ کی خدمت میں خط لکھا کہ میں نے خواب دیکھا ہے۔ کہ آپ تصوف کے حقائق بیان فرما رہے ہیں اور مجھ کو نفع ہو رہا ہے اور ساتھ ہی یہ بھی دیکھا کہ آپ کا نصف حصّہ چوکی پر ہے اور نصف حصّہ نیچے مٹی پر۔ حضرت تھانوی ؒ نے فرمایا کہ کوئی اور بزرگ میری شکل میں متشکّل ہوا ہوگا۔ اور چوکی کی حالت سے مراد حالت صعود ہے۔ اور مٹی پر ہونے سے مراد حالتِ نزول ہے۔

(۵۴) فرمایا کہ تصوف نام ہے برتنے کا نہ کہ جاننے کا۔ یعنی نفس کو لگام دے کر رکھنے کا نام ہے۔ اس پر حضرت نجم الدین کبریٰ کی خدمت میں ابنِ سینا کی حاضری کا واقعہ سنایا۔

(۵۵) فرمایا کہ بعض لوگ یہ سمجھتے ہیں کہ ہم نماز بھی پڑھتے ہیں۔ روزہ بھی رکھتے ہیں۔ تہجد بھی پڑھتے ہیں۔ حج بھی کرلیا ہے۔ بس ہم بزرگ ہوگئے۔ بس اسی پر اکتفا کرتے ہیں۔ در اصل دین دو چیزوں کے مجموعے کا نام ہے۔ ایک تو یہ (مذکورہ) ظاہری

اعمال ہیں کہ یہ بھی ضروری ہیں اور دُوسری ان سے اہم چیز قلب کی درستی ہے۔ یعنی اعمالِ باطنیہ اس ضمن میں فرمایا کہ بعض خلق کے راستہ سے خالق کو پاتے ہیں بعض صفاتِ حق کو پہچانتے ہوئے حق تعالےٰ کو پاتے ہیں۔ پہلی صورت میں صعود ہے دُوسری صورت میں ہبوط یعنی نزول ہے۔ سِلسلۂ کلام میں فرمایا کہ جس کو دیکھا جائے، بشرطیکہ اس کو دیکھنا جائز بھی ہو۔ اسی کو خدا بینی کا شیشہ بنایا جائے۔ اس موقع پر حضرت مجذوبؒ کے یہ اشعار پڑھے :۔

دل مرا ہو جائے اک میدانِ ہُو	تُو ہی تُو ہو، تُو ہی تُو ہو، تُو ہی تُو
اور مرے تن میں بجائے آب و گِل	دردِ دل ہو، دردِ دل ہو دردِ دِل
غیر سے بالکل ہی اُٹھ جائے نظر	تو ہی تو آئے نظر دیکھوں جدھر
کچھ نہ سُوجھے تیری ہستی کے سوا	تیرے اوج اور اپنی پستی کے سوا
تجھ سے دم بھر بھی مجھے غفلت نہ ہو	تیرے ذِکر و فکر سے فُرصت نہ ہو

(۵۶) فرمایا اس راستہ کے ڈاکو اور چور دو ہیں۔ ایک "غفلت" دوسرے "معصیت" ان کا علاج یہ ہے کہ کسی مردِ صالح کی صحبت میں بیٹھا کرے۔

(۵۷) فرمایا کہ دل میں اگر محبت ہوگی تو محبت کا نوّاب اور دربان شکوک کو اندر نہیں گھسنے دے گا۔ اس کی وضاحت اس طرح فرمائی کہ حجرہ کے اندر کئی سوراخ ہوں کہیں بچھو کا ہو، کہیں چوہے کا، اور کہیں کنسلا ہزار پا کا۔ پھر تاریکی بھی ہو۔ اندریں حالات کس طرح ہر اک سوراخ کو بند کرے گا۔ اس کا بہترین علاج یہ ہے کہ اس حُجرے میں

روشنی کر دی جائے۔ بس سب موذی جانور غائب ہو جائیں گے۔ اسی طرح اپنے گھر کو یعنی خانۂ قلب کو محبتِ الٰہی کی روشنی سے منور کیا جائے تو انشاء اللہ تعالیٰ تمام قلبی امراض سے نجات مل جائے گی۔

(۵۸) فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی عظمت ایک باعتبار رسالت کے ہے اور ایک باعتبار سلطنت کے۔ لوگ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے حالات اور کمالات عموماً باعتبار سلطنت کے بیان کرتے ہیں اور باعتبار رسالت کے نہیں کرتے اور اصل چیز رسالت ہے، سلطنت تو اس کے تابع ہے۔

(۵۹) فرمایا صوفیاء اور مشائخ اخلاق کو جزو دین قرار دیتے ہیں، اسی طرح علمائے ظاہر نے علاوہ عقائد و عبادات کے معاشرت و معاملات کو بھی دین کا جز قرار دیا ہے کہ بیع اس طرح ہو، رہن ایسے ہو وغیرہ۔ اس طرح دین کے کل جز پانچ ہوئے لیکن عوام نے تو محض عقائد و عبادات ہی کو دین سمجھ رکھا ہے جو سخت غلطی ہے

(۶۰) فرمایا جب دولتِ جذب نصیب ہو جاتی ہے تو پھر مشقت اور مجاہدہ کرنے کی ضرورت باقی نہیں رہتی۔ لیکن اول اول تو مجاہدہ اور مشقت ہی اٹھانی پڑے گی ؎

اصل خود جذب است لیک اے خواجہ تاش کار کُن، موقوف بر جذبہ مباش

صبح کے نور اور شمع کے نور میں فرق ہے۔ شمع کے نور کے لئے تیل چاہیئے، بتّی چاہیئے، ہوا سے بچاؤ چاہیئے۔ پھر شمع کا نور حاصل ہوتا ہے۔ اور جب صبح ہو

جاتی ہے، پھر بلا مشقّت نور مل جاتا ہے۔

(۶۱) فرمایا عالمِ ارواح میں توحید کا اقرار حق تعالیٰ نے سب سے کرایا جو بعد میں بھول گئے۔ حضرت انبیاء کرام نے آکر اس اقرار کو یاد کرایا۔ بچہ جب پیدا ہوتا ہے تو اسی لئے حکم ہے کہ اُس کے کان میں اذان کی آواز پھونکو۔

(۶۲) فرمایا لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللہ کو دل میں گاڑ دو۔ اگر فرشتے دل کو پھاڑ کر بھی دیکھیں تو لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللہ اندر گڑا ہوا ہو۔

(۶۳) فرمایا علم کے ختم ہونے کے سامان ہو رہے ہیں۔ مولوی جو صحیح طریق پر ہو مشکل سے ملتا ہے۔ چنانچہ حدیث شریف میں آیا ہے کہ ایسا وقت آوے گا، کہ نماز پڑھانے والا کوئی نہ ملے گا۔

(۶۴) فرمایا کہ عالمِ ارواح میں ارواح کو حق تعالیٰ کی صفات کاملہ کا علم تھا، رحمان ہونے کا اقرار کر رہے تھے۔ قدیر ہونے کا اقرار کر رہے تھے۔ حکیم ہونے کا اقرار کر رہے تھے۔ ارواح کو معرفت تو حاصل تھی۔ اس لئے اللہ تعالیٰ کا قرب چاہتے تھے اور قرب موقوف تھا اعمال صالحہ پر۔ اور اعمال صالحہ محض روح سے نہیں ہو سکتے تھے۔ اس لیے اس کو مُرکَب یعنی جسم کی سواری عطا فرمائی۔ اس ضمن میں مثنوی مولانا رومؒ کے ابتدائی دو شعروں کی تشریح فرماتے ہوئے حُبُّ الْوَطَنِ مِنَ الْاِیْمَانِ کی وضاحت فرمائی کہ بانسری سے سبق حاصل کرو۔ اس کو اپنا وطن یاد ہے اور تم اپنا اصلی وطن بھول گئے ہو۔

(۶۵) فرمایا عالم ارواح میں لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہ کا پتہ دیا پھر دُنیا میں آنے کے وقت کان میں اذان کے ذریعے اِسی کلمے کو پھونکنے کا حکم فرمایا۔ پھر دُنیا سے رخصت ہونے کے وقت "مَنْ کَانَ آخِرُ کَلَامِہٖ لَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ فَقَدْ دَخَلَ الْجَنَّۃَ"۔ یعنی" جس کا آخری کلام لا الٰہ الا اللہ ہو وہ جنت میں داخل ہوگا) کی بشارت دے کر اس کلمے کی تلقین کی ہدایت فرمائی۔ پوری زندگی کو اس اس کلمے سے گھیر دیا۔ پھر بھی انسان اگر اس کو بھول جائے تو اس کی نالائقی اور غفلت ہے۔

(۶۶) فرمایا کہ مسجد کے بعض ائمہ اور سکولوں کے مدرس وغیرہ اپنے کو مولوی سمجھے ہوئے ہیں حقیقت میں تو مولوی حضرت والا تھانویؒ حضرت مولانا انور شاہ صاحبؒ اور حضرت مولانا محمد قاسم صاحبؒ جیسے حضرات تھے۔ اس ضمن میں فرمایا کہ حضرت والا تھانویؒ کی مجلس میں ایک بڑے مولوی صاحب بیٹھے تھے حضرت والاؒ نے ایک بدتمیزی پر اُن کو ڈانٹ دیا۔ بعد میں انہوں نے تحریری صورت میں ظاہر کیا کہ آپ نے مجلسِ عام میں میری بے عزتی کی۔ اسپر حضرت والا تھانوی رح نے فرمایا کہ جلدی خانقاہ سے نکل جاؤ۔

(۶۷) حضرت مفتی صاحبؒ اپنے وطن مل پور تشریف لائے ہوئے تھے بندہ کو جب ان کی تشریف آوری کا علم ہوا تو ان کی زیارت کے لئے حاضر ہوا، اور ایک رات مل پور رہ کر واپس ایبٹ آباد آگیا۔ دو دن بعد ایبٹ آباد سے

جب پھر پھلپور حاضرِ خدمت ہوا تو دوبارہ جلد آنے کے سلسلہ میں فرمایا کہ حضرت خواجہ صاحبؒ (مجذوب) بھی ایک زمانے میں چند گھنٹوں کے لئے تھانہ بھون حضرت حکیم الامتؒ کی زیارت کے لئے حاضر ہوتے۔ پھر جلدی واپس چلے جاتے اس پر کسی نے خواجہ صاحبؒ سے کہا کہ اتنے تھوڑے وقت کے لئے آتے ہو۔ اس کے جواب میں مجذوبؒ صاحب نے یہ شعر پڑھا: ؎

ایکہ یک دیدارِ تو دیدار ہاست　　شُد نثارِ دیدِ تو دینار ہاست

(۶۸) سُبْحَانَكَ اللّٰهُمَّ۔ الخ کے معنی بیان فرماتے ہوئے "حمد" کی تشریح فرمائی اور اس سلسلے میں فرمایا کہ کسی کی بھی تعریف ہو۔ وہ دراصل حق تعالیٰ ہی کی تعریف ہے کیونکہ جس میں جو بھی کمال ہے۔ وہ اصل میں حق تعالیٰ کا پرتو ہے۔

(۶۹) فرمایا زمین پر ہر جگہ صابن ہو اور اوپر سے بارش بھی ہو جائے تو پھسلنا ضرور ہوگا۔ یہی حالت آج کل فتنوں کی ہے۔

(۷۰) "رَكْعَتَيِ الْفَجْرِ" (فجر کے قبل کی دو رکعت سنّت) کے سلسلہ میں فرمایا کہ فرضوں کے لئے "رکعتی" کا لفظ نہیں آتا۔ سنّت کے لئے آتا ہے۔ یعنی جب "رَكْعَتَيِ الْفَجْرِ خَيْرٌ مِّنَ الدُّنْيَا وَمَا فِيْهَا" ہے۔ یعنی صبح کی دو رکعت سنتیں دُنیا وما فیہا سے بہتر ہیں۔ تو پھر فرضوں کا کتنا بڑا درجہ ہوگا۔

(۷۱) فرمایا کہ حضرت حکیم الامتؒ کا ارشادِ گرامی ہے۔ کہ "جو شخص خود اپنی اصلاح کا قصد نہ رکھے۔ پیغمبر بھی اس کی اصلاح نہیں کر سکتا"

(۷۲) فرمایا علم کے معنی لوگوں نے نہیں سمجھے۔ مُلا حسن وغیرہ نے علم کے معنی بیان کئے ہیں "صورتِ حاصلہ"، بعض نے کہا کہ "علم اُن شعاعوں کا نام ہے جو صورتِ حاصلہ کے بعد ذہن میں آتی ہیں" لیکن یہ سب غلط ہے۔ بقول حضرت تھانویؒ علم نام معرفت کا ہے یعنی اس پہچان کا جو عمل کے لئے بے قرار کر دے۔ یہ علم حال سے پیدا ہوتا ہے اور حال پیدا ہوتا ہے صحبت اہل اللہ سے۔

فَفِرُّوْا اِلَی اللّٰہِ — اللہ کی طرف بھاگو۔

فَاسْتَبِقُوا الْخَیْرَاتِ — نیک کاموں میں سبقت کرو۔

یُسَارِعُوْنَ فِی الْخَیْرَاتِ — دوڑتے ہیں نیک کاموں میں۔

قرآن مجید کے اس طرح کے کلمات سے یہی پتہ چلتا ہے کہ عمل کیلئے بے چینی ہونی چاہیئے۔

(۷۳) ایک سلسلۂ کلام میں فرمایا کہ مثنوی میں ایک واقعہ لکھا ہے کہ بغداد کے ایک شخص نے خواب دیکھا کہ (غالباً دمشق کے) فلاں کوچہ میں خزانہ دفن ہے۔ یہ شخص وہاں پہنچا۔ اس شہر میں مارشل لا نافذ تھا۔ وہاں کے متعلقہ افسر نے اسے گرفتار کر لیا اور وہاں آنے کی وجہ دریافت کی۔ سُن کر اس افسر نے اس شخص سے کہا کہ تو بڑا بیوقوف ہے۔ کہ محض ایک خواب کی بنا پر گھر سے نکل پڑا اور اتنا طویل سفر اختیار کیا۔ میں نے بھی ایک خواب دیکھا ہے کہ بغداد کے فلاں کوچہ کے فلاں مکان میں خزانہ دفن ہے۔ مگر میں ایسا نہیں کرتا کہ سفر کروں۔ اس شخص نے جو اس افسر کے خواب پر غور کیا، تو

وہ پتہ اسی کے مکان کا تھا۔ چنانچہ بہت خوش ہوا۔ اور واپس آکر اپنا مکان کھودا تو واقعی خزانہ مل گیا۔

خزانہ تو گھر میں تھا۔ مگر وہ باہر خزانہ کی تلاش میں اِدھر اُدھر مارا مارا پھر رہا تھا۔ مولانا رومؒ نے اس واقعہ سے یہ نتیجہ نکالا کہ خزانہ تو اپنے ہی پاس ہوتا ہے لیکن ملتا ہے طرح طرح کی ٹھوکریں اور مصیبتیں سہنے کے بعد۔

(۷۴) فرمایا۔ پُل صراط شریعت کے اعتدال کی صورتِ مثالی ہے۔

(۷۵) فرمایا ذکر سے فکر اور وہم ٹھیک ہو جاتا ہے۔

(۷۶) فرمایا حضرت حکیم الامت تھانویؒ فرماتے تھے کہ میں نے عُمر بھر لاٹھی کے اُس سِرے کو جو زمین پر لگتا ہے قبلہ کی جانب نہیں کیا اور عمر بھر روپیہ اور جوتے کو ایک ہاتھ میں اکٹھا نہیں لیا۔ اور عمر بھر روپیہ کسی کی طرف پھینکا نہیں بلکہ دیتے وقت اُس کے سامنے رکھ دیا اور عُمر بھر ایسا نہیں کیا کہ خود سرہانے کی طرف بیٹھوں اور کھانا پائنتیوں کی طرف رکھوں۔

لَقَدْ خَلَقْنَا الْاِنْسَانَ فِیْ کَبَدٍ ہم نے انسان کو بڑی مشقت میں پیدا کیا ہے

اس کی تشریح کرتے ہوئے فرمایا کہ حق تعالیٰ فرماتے ہیں کہ تم یہ فانی عیش کیوں چاہتے ہو۔ ہم نے تو تم کو ابدی عیش دینے کے لئے پیدا ہی مشقت میں کیا ہے۔

(۷۷) فرمایا کہ جب حضرت والا حکیم الامت تھانویؒ کی طرح کے الفاظ لانے مشکل ہیں تو حضرت پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام کی طرح الفاظ لانے اور بولنے

تو بہت ہی مشکل ہیں۔ احادیث کے الفاظ بتاتے ہیں کہ حضرت پیغمبرؐ بول رہے ہیں۔

(۷۸) فرمایا کہ اس دُنیا میں رہنا بھی بڑی نعمت ہے کہ جنت کا سامان حاصل کرنے کا یہاں موقع دیا جاتا ہے۔

(۷۹) فرمایا کہ حضرت والا تھانویؒ مناظرہ کو پسند نہیں فرماتے تھے حضرت مولانا خیر محمد صاحب مناظرے بہت کیا کرتے تھے لیکن حضرت والاؒ کے سمجھانے پر حضرت مولانا موصوف کو مناظروں سے نفرت ہو گئی۔ اس سلسلہ میں فرمایا کہ ہمارے اکابر بریلویوں کو کافر نہیں کہتے بلکہ ان کو مسلمان ہی سمجھتے ہیں۔

(۸۰) فرمایا کہ حق بیان کر دینا چاہیئے۔ نام کسی کا نہیں لینا چاہیئے۔ نام لئے بغیر حق ظاہر کیا جائے۔ حق خود ہی باطل کو جلا دیتا ہے۔

(۸۱) فرمایا کہ حضرت والا تھانویؒ فرمایا کرتے تھے کہ میں نے مُختَلَفْ فِیْہ مسائل ہزارہا کے مجمع میں ایسے عنوان سے بیان کئے کہ حق بھی ظاہر کر دیا اور مخالفین وسامعین کو اعتراض کا موقع بھی نہیں دیا (الحمد للّٰہ)

(۸۲) فرمایا کہ حضرت مولانا نور احمد صاحب امرتسریؒ تین سال تک مدرسہ صولتیہ مکہ معظمہ میں رہے اور میں نے ان سے "تلویح" پڑھی ہے (احقر جامع ملفوظات نے بھی حضرت مولانا نور احمد صاحب امرتسریؒ کی زیارت کی ہے، کئی دفعہ ان کی مجلس میں حاضری کا موقع ملا)

لِمَ تَقُوْلُوْنَ مَالَا تَفْعَلُوْنَ یعنی (اے مسلمانو) کیوں کہتے ہو ایسی بات جو نہ کرو تم۔

کی تفسیر فرماتے ہوئے بحوالہ حضرت مولانا تھانویؒ ارشاد فرمایا کہ "اس سے ترکِ دعویٰ مقصود ہے، ترکِ دعوت مقصود نہیں"۔

(۸۳) حضرت مولانا عبدالباری صاحب لکھنوی مدظلہم کے صاحب زادے سعیدالباری کو نصیحت کرتے ہوئے اس حدیث کی تشریح فرمائی جس میں حضور صلے اللہ علیہ وسلم نے تین شخصوں کے لئے بد دعا فرمائی۔ ایک وہ جو رمضان میں اپنی مغفرت نہ کرائے۔ دُوسرا وہ جس کے سامنے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا نام لیا جائے اور وہ درُود نہ بھیجے۔ تیسرا وہ جو والدین کو ناراض رکھے اور والدین کا نافرمان ہو۔ بحوالہ حضرت تھانویؒ اس کی تشریح کے سلسلہ میں فرمایا کہ ان کو تخصیص سے بیان کرنے کی وجہ یہ ہے کہ ہر انسان کے وجود میں یہ تینوں دخیل ہیں۔

(۸۴) فرمایا حق تعالیٰ نے وَمَا مِنْ دَآبَّۃٍ فِی الْاَرْضِ اِلَّا عَلَی اللّٰہِ رِزْقُھَا (اور کوئی نہیں چلنے والا زمین پر مگر اللہ تعالیٰ پر ہے اس کی روزی) فرمایا۔ اِلَّا عَلَی اللّٰہِ الرِّزْقُ نہیں فرمایا یعنی جو اس کا مقدر رزق ہے وہ حق تعا کے ذمہ ہے۔ رزق کو اگر بلا ضمیر فرماتے تو خواہ مخواہ یقینی طور پر رزق دینا لازم ہو جاتا پھر فاقوں کی نوبت نہ آتی۔

(۸۵) فرمایا کہ مکہ معظّمہ کے زمانہ قیام میں بجائے نوافل کے کثرتِ طواف ضروری ہے اور مدینہ منورہ میں ہر وقت درُود و سلام پڑھا جائے۔

(۸۶) فرمایا کہ حضرت (مولانا تھانویؒ) دورانِ سفر میں علماء اور اہل علم کے

پاس خود ملنے جاتے خواہ بدعتی ہی کیوں نہ ہوں۔ علم کی قدر فرماتے۔ ایک مرتبہ سفر میں ایک معقول عالم سے ملنے کے لئے تشریف لے گئے۔ وہ بریلوی خیال کے تھے انہوں نے آپ کو پہچان لیا اور کہا کہ مولانا گنگوہیؒ اور مولانا خلیل احمد صاحبؒ تو امکان کذب کے قائل تھے وغیرہ وغیرہ۔ حضرت نے جواب میں فرمایا کہ میں بھی اُن کا ہم خیال ہوں۔ پھر اُن سے دریافت فرمایا کہ زید جلوس کی حالت میں ہو یعنی بیٹھا ہوا ہو۔ حق تعالیٰ اس کے لئے زَیْدٌ قَائِمٌ فرما سکتے ہیں یا نہیں اور اگر زَیْدٌ قَائِمٌ نہیں فرما سکتے تو یہ عیب ہے اگر فرما سکتے ہیں تو امکان کذب ہے۔

(۸۷) فرمایا اصلی مزہ علم دین میں ہے اور پھر لذت عمل میں ہے۔ سارنگی اور ستاریں وہ مزہ نہیں جو علم دین میں ہے۔ جو علماء علم سے مزہ اور لطف حاصل نہیں کرتے (بحوالہ حضرت تھانویؒ فرمایا) یا تو ان میں لیاقت علمی نہیں ہوتی اور یا حرص و طمع اس لطف کو ضائع کر دیتی ہے ؎

آنچہ شیراں را کند روباہ مزاج　　　احتیاج است احتیاج است احتیاج

(ترجمہ: حرص و طمع وہ بُری بلا ہے کہ شیروں کو لومڑی بنا دیتی ہے)

(۸۸) فرمایا کہ مولانا رومیؒ کے اندر دو کیفیتیں ہیں ایک فکر و ہوش، دوسری شورشِ عشق۔ شورش کا تقاضہ یہ ہے کہ اسرار کو خوب وضاحت سے کھل کر بیان کیا جائے۔ جیسا کہ اس شعر میں بیان ہے ؎

پردہ بردار و برہنہ گو کہ من　　　مے نگنجم با صنم در پیرہن

اور فکر و عقل کا یہ تقاضا ہوتا ہے کہ اسرار کو نہ کھولا جائے۔ کہیں تپش اور شورش میں جل نہ جاؤ۔ جیسا کہ اس شعر سے ظاہر ہے ؎

می نہ تابد کوہ را یک برگ کاہ

اس کے بعد مثنوی کے یہ شعر پڑھے ؎

بادہ در جوشش گدائے جوش ماست چرخ در گردش اسیر ہوش ماست

(ترجمہ: شراب کی مستی ہماری محتاج ہے۔ اسی طرح آسمان گردش کرنے میں ہمارے ہوش کا اسیر ہے)

بادہ از ما مست شد نے ما ازو قالب از ما ہست شد نے ما ازو

(بادہ نے مستی ہم سے حاصل کی ہے اور یہ جو ڈھانچہ اور قالب ہے یہ بھی ہمارے طفیل ہے۔ ہم نہ ہوتے تو یہ ڈھانچہ کہاں ہوتا)

(۸۹) فرمایا ایمانِ حاصل پر شکر کرتے رہنا چاہیئے کہ اس کی برکت سے ایمان پر خاتمہ ہو جائے گا۔

(۹۰) فرمایا باتیں کرنے کا ڈھنگ بھی اللہ والوں کو ہی آتا ہے اور دنیا میں لذت بھی دین پر چلنے ہی سے آتی ہے۔

(۹۱) فرمایا کہ سفر میں ایک موقع پر حضرت امام اعظم ابو حنیفہؒ نے حضرت امام یوسفؒ کو امام بنا کر ان کے پیچھے نماز کی اقتدا کی۔ حضرت امام یوسفؒ کی مناسب محل رعایت نماز میں دیکھ کر حضرت امام اعظمؒ نے فرمایا۔ صَارَ یَعْقُوْبُنَا فَقِیْہًا کہ

ہمارے ابو یوسف فقیہ ہو گئے۔

(۹۲) حضرت مفتی صاحبؒ نے سفر کراچی کے موقع پر ریل میں فرمایا کہ وقت کی تنگی کے موقع پر سنّت کام چھوڑ دینا چاہیئے۔

(۹۳) فرمایا مسلم شریف کی روایت ہے کہ جب حضرت عیسٰی علیہ السلام آسمان سے اُتریں گے تو آپ کے سر اور جسم سے پانی کے قطرے گرتے ہوئے ہوں گے اور پانی ٹپکتا ہوگا۔ حضرت مفتی صاحبؒ کے اس فرمانے کے بعد حضرت مولانا محمد ادریس صاحب کاندھلوی مدظلہم العالی نے فرمایا کہ ابن کثیر کی روایت میں آسمان پر اٹھائے جانے سے قبل حضرت عیسٰی علیہ السلام کا غسل کرنا ثابت ہے۔ اس پر حضرت مفتی صاحب نے فرمایا معلوم ہوا کہ وہاں انقلاب نہیں ہے جس حالت میں رفع ہوا اسی حالت میں نُزُول مِنَ السَّمَاءِ ہوگا۔

(۹۴) فرمایا کہ ایک صاحب کو جو خانقاہ تھانہ بھون سے تعلق رکھتے تھے اس درجہ کا قبض ہوا کہ زبان سے لفظ "اللہ" کا نکالنا اُن پر گراں اور ناگوار گذرتا تھا۔ اس ضمن میں فرمایا کہ قبض کبھی تو رفع حجت کے لیئے ہوتا ہے اور کبھی رفع درجات کے لیئے اور کبھی معصیت کی وجہ سے۔

(۹۵) فرمایا کہ اپنے آپ کو ان موجودہ سیاسیات سے بالاتر رکھنا چاہیئے اس موقع پر ووٹ دینے کے سلسلہ میں حضرت مولانا خیر محمد صاحب مدظلہٗ نے فرمایا کہ کسی ایک پارٹی اور جماعت کے ساتھ ایسا وعدہ نہ کرے کہ دوسرا فریق اس کو

اپنا مخالف تصور کر بیٹھے بلکہ کسی حکمت کے ساتھ فیصلہ کو دوسرے وقت پر ٹال دے اس سے دینی استفادہ میں کسی فریق کے لئے رکاوٹ نہ ہوگی یعنی ہر فریق اور ہر جماعت والا اس کو اپنا ہادی اور رہنما سمجھے گا۔

(۹۶) فرمایا کہ چار خواب اس مضمون کے ہیں کہ قبر میں حساب لینے کے موقع پر فرشتوں نے پوچھا کہ تم تھانہ بھون جانتے ہو یا نہیں جب کہا گیا کہ جانتے ہیں اس پر ان کی مغفرت ہوگئی۔

(۹۷) فرمایا مجمع میں شور شر ہونے سے مقرر کی طبیعت اکھڑ جاتی ہے۔ اس پر حضرت مولانا رومؒ کا یہ شعر پڑھا ؎

صد ہزاراں طالب اند و یک ملول　　　از رسالت باز می ماند رسول

(ہزار طالب ہوں اور ایک شخص منکر تو رسول بھی تبلیغ سے رک جاتے ہیں)

یہ اس موقع پر فرمایا جب کہ جلسہ میں اپنے حضرات میں سے کوئی تقریر فرما رہے تھے اور مجمع میں شور و شر پیدا ہوگیا تھا۔

(۹۸) حضرت مفتی صاحبؒ نے حضرت مولانا خیر محمد صاحب مدظلہ کو مخاطب کرتے ہوئے فرمایا کہ ایک دفعہ ہم فلاں فلاں کو حضرت والا (تھانویؒ) پند نامہ پڑھا رہے تھے جب اس شعر پر پہنچے ؎

نفس و شیطاں زد کریما راہِ من (یعنی نفس و شیطان نے مجھے راہ سے بھٹکا دیا)

فرمایا کہ یہاں نفس کو مقدم کیا شیطان سے۔ وجہ اس کی یہ ہے کہ زیادہ مضر نفس

ہے کہ شیطان کو بھی نفس ہی نے گمراہ کیا - اس ضمن میں فرمایا کہ تقاضائے معصیت کے وقت یہ شناخت مشکل ہے کہ یہ تقاضا نفس کی طرف سے ہے یا شیطان ابلیس کی طرف سے - اور گو اس شناخت کی ضرورت تو نہیں - کیونکہ ہر تقاضائے معصیت کا (خواہ وہ نفس کی طرف سے ہو یا شیطان کی طرف سے) بہرحال مقابلہ کرنا چاہیئے اور ہرگز اس کا ارتکاب نہ کرنا چاہیئے مگر پہچان اس کی یہ ہے کہ اگر ایک ہی گناہ کا تقاضا بار بار قلب میں پیدا ہوتا ہے تو وہ نفس کی طرف سے ہے اور اگر ایسا ہے کہ ایک گناہ کا تقاضا ہوا - اس کو دفع کر دیا تو دوسرے کا تقاضا شروع ہوا - اس کو دُور کیا تو تیسرے کا - اور اسی طرح ہوتا رہا تو یہ شیطان کی طرف سے ہے - کیونکہ شیطان کو تو گناہ کرانے سے غرض ہے - چاہے گناہ بے لذت ہی ہو - اس لئے وہ بدل بدل کر پیش کرتا ہے اور نفس کو حظ مقصود ہے اس لئے وہ اسی گناہ کا بار بار تقاضا کرتا ہے جس میں اس کو حظ ہو - اس ضمن میں فرمایا کہ نفس سے ہر وقت اندیشہ ہے اس سے بے فکر ہو کر نہ رہے - یہ بھی فرمایا کہ پند نامہ مشکل کتاب ہے۔

ایک سلسلۂ کلام میں یہ شعر پڑھا ؎

مغز را خالی کُن از اغیارِ یار ۔۔۔ تا کہ ایماں یابی از گلزارِ یار

(یعنی اپنے دماغ کو غیر اللہ سے خالی کر لو تا کہ اس کے تجلیات و انوار نصیب ہوں) اس موقع پر بندہ جامع ملفوظات کے ہاتھ میں ایک کاپی تھی جس کو دیکھ کر ارشاد فرمایا ؎

صد کتاب و صد ورق در نار کُن　　سینہ را از نورِ حق گلزار کُن

(یعنی اوراق وکتب کو آگ لگاؤ۔ اپنے سینے کو اللہ کے نور سے جگمگاؤ)

(۹۹) فرمایا کہ لاہور میں ایک جلسہ میں سب اکابر حضرات جمع تھے حضرت مولانا شبیر احمد صاحب عثمانیؒ وغیرہ نے ابوالکلام آزاد کو اس موقع پر جلسہ کی صدارت بخشی اس کی اطلاع جب حضرت (والا تھانویؒ) کو ہوئی تو انہوں نے فرمایا کہ ابوالکلام آزاد کوئی مولوی تھوڑا ہی ہیں وہ تو ایک منشی ہیں خطبہ صدارت انہوں نے عربی میں پڑھا لیکن عربی بھی غلط تھی۔

(۱۰۰) فرمایا "اَلْمُعَاصَرَةُ اَصْلُ الْمُنَافَرَةِ" کہ ہم عصر ہونا یہ نفرت کی بنیاد اور سبب ہوتا ہے۔ دنیا سے جانے کے بعد آدمی کی قدر ہوتی ہے۔

(۱۰۱) مدارس عربیہ کے تذکرہ میں حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب مدظلہم کے دارالعلوم کے بارہ میں فرمایا کہ دارالعلوم کراچی کے ہر دروازہ پر دارالعلوم دارالعلوم لکھا ہوا ہے۔ چاہیئے تو یہ تھا کہ بجائے اس کے ہر جگہ مولانا رومؒ کا یہ شعر لکھا ہوتا ؎

جانِ جملہ علم ہا این است و این　　کہ بدانی من کیم در یوم دین

(یعنی جملہ علوم کی رُوح یہ ہے کہ تم کو یہ فکر لاحق ہو کہ آخرت میں کیا ہوگا۔)

(۱۰۲) بحوالہ حضرت مولانا رشید احمد صاحب گنگوہیؒ فرمایا کہ ہمارے بزرگوں کو حق تعالیٰ نے ریاضت اور مجاہدوں کے بغیر بہت کچھ عنایت فرمایا تھا اس ضمن میں ارشاد فرمایا کہ جب سفر ظاہری کے لئے آج کل اس قدر سہولتیں بنا دی گئی ہیں۔ تو کیا سفر باطنی کے لئے اس زمانہ کے مطابق سہولتیں نہ ہوں گی ضرور

ہیں۔ سفرِ ظاہری کے لیے موٹریں، کاریں، ہوائی جہاز وغیرہ سامانِ راحت وآرام پیدا کر دیئے گئے۔ اسی طرح اِس زمانہ میں جذب کی صورت میں سفرِ باطنی طے کرایا جاتا ہے۔ سلوک کے ذریعے نہیں لے جایا جاتا۔ حق تعالیٰ کا برتاؤ اور معاملہ آج کل لوگوں سے جذب کا ہے۔ اس پر مثنوی کے یہ شعر ارشاد فرمائے ؎

اصل خود جذب است لیک اے خواجہ تاش کار کُن موقوف بر جذبہ مباش

زانکہ ترکِ کار، چوں نازے بود ناز کے درخوردِ جاں بازی بود

ترجمہ: (اگرچہ اصل تو جذب ہی ہے مگر جذب پر بھروسہ کرکے نہ بیٹھے رہو۔ بلکہ کام میں لگے رہو۔ کیونکہ کام کو ترک کر دینا تو ناز ہوا اور عاشقی میں ناز کہاں مناسب ہے)

(۱۰۳) ایک موقع پر حضرت مولانا خیر محمد صاحب مدظلہم لاہور حضرت مفتی صاحبؒ کے ہاں تشریف لائے ہوئے تھے۔ دورانِ کلام میں حضرت مولانا خیر محمد صاحب مدظلہ نے حضرت مفتی صاحبؒ سے فرمایا کہ اصولِ فقہ پر نظر رکھنی چاہیئے اور تلویح کو ایک حد تک پہنچا کر چھوڑ دینا چاہیئے۔ جب یہ معلوم ہو جائے کہ طالب علم کو آگے خود سمجھنے کی استعداد پیدا ہو گئی ہے۔ باقی توضیح سب پڑھا دینا چاہیئے۔ خصوصاً آخر میں قیاس اور اجتہاد کی بحث کو بھی پڑھنا چاہیئے اس پر حضرت مفتی صاحبؒ نے فرمایا کہ توضیح تلویح کی تیس شرحیں لکھی گئی ہیں لیکن ہم نے ایک بھی نہیں دیکھی۔

(۱۰۴) فرمایا کہ حاضری تھانہ بھون کے دوران، پاؤں کی تکلیف کی وجہ سے میری رعایت کی جاتی تھی۔ چنانچہ مجلسِ خاص کی اطلاع کے وقت خلیفہ جی پہلے مجھے

اطلاع کرتے کہ مجلس کی اجازت ہوگئی ہے ۔ اس لئے عام طور پر میں سب سے پہلے پہنچ جاتا تھا ۔ ایک روز ایسا ہی ہوا کہ جس وقت میں پہنچا تو کوئی نہ تھا ۔ میں جاکر اپنی جگہ بیٹھ گیا ۔ حضرت (تھانویؒ) تسبیح پڑھ رہے تھے اور دانے کھٹ کھٹ گر رہے تھے، کہ میں نے کہنا شروع کیا کہ "حضرت ! اگر ہمیں ایک کروڑ سال کی عمر ملے اور ہم اس کو سجدۂ میں پڑکر شکر میں گزار دیں تب بھی اس ایک نعمت کا شکر ادا نہ ہو کہ اللہ تعالےٰ نے خانقاہ سے تعلق نصیب فرمایا" یہ سن کر معًا میری طرف توجہ فرمائی اور گرجدار آواز میں فرمایا کہ "آپ کو ایسا ہی سمجھنا چاہیئے" مطلب یہ کہ میرے ساتھ تعلق کوئی معمولی بات نہیں اللہ تعالیٰ کی بہت بڑی نعمت ہے ۔

(۱۰۵) فرمایا معمول کا کبھی کرنا کبھی نہ کرنا ۔ یہ بھی ایک قسم کا دوام ہے ۔ اس کی برکت سے دوام کی توفیق ہو جائے گی ۔

(۱۰۶) ایک سلسلۂ کلام میں فرمایا کہ حضرت مولانا انور شاہ صاحبؒ کاشمیری کلام میں خوب اچھی طرح صحت الفاظ کا خیال فرماتے تھے لفظ بنی کو خوب شد کے ساتھ بولتے تھے ۔

(۱۰۷) فرمایا کہ حضرت (والا تھانویؒ) جب لاہور تشریف لائے تو لاہور پر لاحول فرمایا ۔ اور امرتسر تشریف لانے پر امرتسر کے متعلق فرمایا امرت بر سر ۔

(۱۰۸) ایک دفعہ دورانِ کلام میں فرمایا کہ میں تو حضرت (والا تھانویؒ) کی کتابوں کے سوا کسی اور کی کتاب دیکھنے کی ہمت نہیں رکھتا ۔

(۱۰۹) اپنی ٹانگ کے کاٹنے کے بارے میں فرمایا کہ میں نے اپنے دُور کے احباب کو اپنے پاؤں کاٹنے کی اطلاع اس لئے نہیں دی کہ ان کی قوّت متخیلہ قسم قسم کی باتیں گھڑے گی کہ کس طرح بیٹھتا ہوگا۔ کس طرح اُٹھتا ہوگا۔ کس طرح پیشاب وغیرہ کرتا ہوگا۔ تخیل کچھ سے کچھ گھڑ لے گا۔ جو احباب سامنے موجود ہوتے ہیں، اُن کا متخیلہ اتنی باتیں نہیں گھڑتا اور نہ اتنا سوچتا ہے۔ کیونکہ سامنے کا واقعہ ہوتا ہے اس لئے ان امور کی طرف ان کا تخیل نہیں جاتا۔ دُور والے کچھ سے کچھ خیال کرتے رہتے ہیں۔ جیسا کہ ایک دفعہ میں خانقاہ اشرفیہ تھانہ بھون میں مقیم تھا۔ امرتسر سے خط گیا کہ اپنے تین آدمی پانچ چار دن کے اندر اندر فوت ہو گئے۔ اس اطلاع سے تمام رات نیند نہ آئی۔ متخیلہ گھڑت کرتا تھا کہ نہ معلوم خط آنے کے بعد اور کتنے فوت ہو چکے ہوں گے۔ میں نے حضرت حکیم الامت رح کی خدمت میں عرض کیا کہ اس طرح کا خط آیا ہے، فرمایا کہ گھر چلا جانا چاہیئے کہ متخیلہ کچھ سے کچھ گھڑے گا۔

(۱۱۰) فرمایا کہ لوگ خدائے تعالیٰ کے در کو چھوڑ کر لوگوں کے در پر ذلیل ہوتے ہیں۔
یک در گیر و محکم گیر (ایک در کو مضبوط پکڑ لو)

(۱۱۱) فرمایا ایک صاحب کے سینے میں محبت کی آگ اس درجہ تھی، کہ اس آگ سے کپڑے جل جاتے۔ میں نے ان کو دیکھا ہے۔

(۱۱۲) فرمایا کہ ہر معاملہ کو شریعت کے موافق کرنا۔ یہ ذکر حقیقی ہے۔ باقی یہ ذکر مروجہ ذکرِ صوری ہے۔

(۱۱۳) فرمایا کہ طاعت سے قرب بڑھتا ہے اور معصیت سے دُوری ہوتی ہے۔

(۱۱۴) ایک صاحب نے عرض کیا کہ فلاں صاحب میں خدمتِ خلق کا جذبہ ہے یہاں تک کہ وہ کہتے ہیں کہ نماز سے بھی خدمتِ خلق بہتر ہے اور اچھی عبادت ہے اس پر حضرت والاؒ نے ارشاد فرمایا کہ یہ خیال ٹھیک نہیں ہے۔ بلکہ اپنی خدمت یعنی اپنے نفس کی فکر سب سے مقدم ہے۔ اپنی جان کو ضرر اور مصیبت سے بچانا ضروری ہے۔

(۱۱۵) جب آدمی کوئی کام شروع کرتا ہے تو پہلے اس کے نتیجے کا خیال ہوتا ہے۔ اس سلسلہ میں فرمایا کہ اس بات کو لکھ کر گلے میں لٹکا کر رکھنا چاہیئے کہ تمام آسمانی کتابوں کے نزول سے مقصد رضائے حق تعالےٰ ہے اور ہر کام سے مقصد رضائے حق ہونا چاہیئے۔ کان کے استعمال سے مقصد رضائے حق۔ آنکھ کے استعمال سے مقصد رضائے حق ہو وغیرہ وغیرہ۔

(۱۱۶) فرمایا امام رازیؒ نے لکھا ہے۔ ایک شخص نے وصیت کی کہ میرے مال کا رُبع حصّہ اس شہر کے سب سے زیادہ ہوشیار سمجھدار آدمی کو دیا جائے ائمۂ اربعہ نے متفقہ فیصلہ کیا کہ رُبع حصّہ اس کو دیا جائے جو فکرِ آخرت رکھتا ہو اور متّقی ہو۔

(۱۱۷) فرمایا کہ نمک بھی اللہ تعالیٰ سے مانگو۔ سلطنت بھی اللہ تعالیٰ سے مانگو جُوتے کا تسمہ بھی اللہ تعالیٰ سے مانگو۔

(۱۱۸) فرمایا دُنیادار اسبابِ دُنیا کے لئے کوشش اور سعی کرتے ہیں تاکہ آرام اور چین حاصل ہو۔ آخرت پر ایمان اور اس کے ہونے کا یقین ہوتا تو اسبابِ مغفرت

اور آخرت میں نجات کے اسباب کی ضرور فکر کرتے۔ دراصل امرا نے چین دیکھا نہیں، گبریلا کیڑا بھی کہتا ہے کہ میں پاخانہ میں چین سے رہتا ہوں۔ مجھے کوئی تکلیف نہیں۔

(۱۱۹) فرمایا کہ بعض دفعہ بعض چیزوں کو عوام سمجھ جاتے ہیں اور مولوی نہیں سمجھتے۔ ان میں کبر ہوتا ہے اور کبر رُوح ہے کفر کی۔

(۱۲۰) ایک صاحب کے سوال کے جواب میں فرمایا کہ مقصد کا تعین کرنا ضروری ہے۔ مسافر کو قدم اٹھانے سے قبل منزل مقرر کر لینی چاہیئے کہ مجھے کہاں جانا ہے۔ سلسلۂ کلام میں فرمایا اگر زبان سیکھنا اصل مقصد ہوتا تو ابو جہل عربی کا بڑا ماہر عالم تھا حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے الفاظ کو سمجھتا تھا۔ مگر نجات کے لئے صرف زبان دانی کافی نہیں، جب تک اس پر یقین و عمل نہ ہو۔

(۱۲۱) ایک دفعہ خَلَقَ الْمَوْتَ وَالْحَيٰوةَ لِيَبْلُوَكُمْ اَيُّكُمْ اَحْسَنُ عَمَلًا (ترجمہ:- اللہ نے موت اور حیات کو پیدا کیا تاکہ تمہارا امتحان لے کہ تم میں سے کون بہتر ہے باعتبار عمل کے) کی تشریح کرتے ہوئے فرمایا کہ امتحان لینے والے وہ ہیں اور دینے والے ہم ہیں۔ ممتحن کوئی معمولی ہستی نہیں ہے۔

يَنْظُرُ اِلٰى قُلُوْبِكُمْ وہ تمہارے دلوں کو دیکھتے ہیں۔

(۱۲۲) فرمایا قَـرِّ عَيْنٌ ہو یعنی آنکھ کھلی ہو اور نہ دیکھے یہ غیر اختیاری ہے اس سے معلوم ہوا کہ دیکھنا بھی غیر اختیاری ہے۔ سلسلۂ کلام میں فرمایا کہ اختیاری وہ ہوتا ہے کہ اس کی ضد پر بھی قادر ہو۔ کیونکہ اختیاری کی ضد بھی اختیاری ہوتی

ہے۔ اس لئے کہ قدرت کا تعلق بالضدّین ہوتا ہے۔ مگر باوجود اس کے ابصار کو اختیاری کہتے ہیں۔ کیونکہ اس کے اسباب مثلاً فتح العین، بحالت محاذات مبصر وجود ضوء وغیرہ اختیاری ہیں تو اسباب کے اختیاری ہونے سے اس کو اختیاری کہا جاتا ہے پس اسی طرح حال اگرچہ خود غیر اختیاری ہے۔ مگر چونکہ اس کے اسباب اختیاری ہیں۔ اس لئے اس اعتبار سے اس کو بواسطہ اختیاری کہا جا سکتا ہے یعنی مباشرت اسباب جن سے حال پیدا ہو۔ واجب ہے۔ حال کو جو واجب نہیں کہا تو اس معنی کر کہ خود غیر اختیاری ہے۔ مگر حق تعالیٰ کی عادت یہ ہے کہ مباشرت اسباب کے بعد حال پیدا فرما دیتے ہیں۔ اس معنی کر حال واجب ہے۔

(۱۲۳) فرمایا روپیہ پیسہ اللہ تعالیٰ کی بڑی نعمت ہے۔ افلاس کی حالت میں ایک ایک روپیہ کی کتنی قدر ہوتی ہے۔ روپیہ محافظ ایمان اور محافظ آبرو ہے۔

(۱۲۴) فرمایا جب روپیہ نہ دیں تو وہ بھی اللہ تعالیٰ کی عطا ہے۔ نہ دینا بھی عطا ہے اور دینا بھی عطا ہے۔ جس طرح صحت اللہ تعالیٰ کی عطا ہے ایسے ہی مرض بھی اللہ تعالیٰ کی عطا ہے۔

(۱۲۵) فرمایا کھانے میں اگر زہر کا علم ہو تو اس کھانے کو نہیں کھایا جاتا کیونکہ پتہ ہوتا ہے کہ اس میں زہر ملا ہوا ہے۔ خواہ کیسا ہی اچھا کھانا ہو۔ اسی طرح اگر کسی کو یہ علم ہو کہ اس عمل کا یہ ضرر و نقصان ہے تو پھر وہ عمل نہیں کرنا چاہیئے۔

(۱۲۶) فرمایا جس طرح عمل میں ریا ہے اسی طرح ترکِ عمل و ترکِ عبادت

بھی ریا ہے۔ جیسے کہ میں اب تسبیح پڑھ رہا ہوں۔ آپ احباب کے آنے پر پڑھنا ترک کردوں

(۱۲۷) فرمایا کہ میں سلوک کی تعریف کر رہا ہوں سُنو! اخلاق کی دو قسمیں ہیں اخلاق رذیلہ، اخلاق حسنہ۔ رذیلہ کے مقتضیٰ پر عمل نہ کیا جائے تو نجات ہو جائے گی لیکن صحت نہ ہو گی۔ اسی طرح اگر حسنہ کو تکلف سے کرتا رہا تو نجات ہو جائے گی۔

(۱۲۸) حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی شان میں فرمایا گیا ہے اِنَّكَ لَعَلٰی خُلُقٍ عَظِیْمٍ (یعنی آپ اخلاق حسنہ کے اعلیٰ مقام پر ہیں۔ فرمایا سلوک کی تعریف کا تو دوکاندار پیروں کو پتہ نہیں اور اچھے لوگوں میں سے بھی کم ہی کسی کو اس کی صحیح تعریف معلوم ہے۔

(۱۲۹) فرمایا تصوف اخلاق پر قابو پانے کا نام ہے۔ وساوس قلب کے اندر نہیں ہوتے۔ شیطان باہر قلب سے اندر کی طرف وساوس پھونکتا ہے۔ قلب کے اندر کی چیز کو صدمہ نہیں ہوتا۔ وساوس بجلی کی تاریں ہیں۔ ان کے ساتھ چھیڑ چھاڑ نہیں کرنا چاہیئے۔ نہ نکالنے کی کوشش کرے اور نہ لانے کی۔ شیطان سرکاری کُتّا ہے بھونکتا ہے تو بھونکنے دیں ؎

آں خداونداں کہ رہ طے کردہ اند ۔۔۔ گوش با بانگِ سگاں کے کردہ اند

(یعنی جن حضرات نے اس راہ کو طے کیا ہے انہوں نے کُتّوں کی آواز پر کب کان دھرا)

(۱۳۰) فرمایا مصائب میں حق تعالیٰ کا تو کوئی فائدہ نہیں۔ اس میں فائدہ بندے ہی کا ہے۔ اگر مصائب بھیجنے میں منافع نہیں ہیں تو فعل عبث ہوا اور عبث کام اللہ تعالیٰ نہیں کرتے۔ پھر اہل مصیبت کے لئے آخرت میں جو درجات اور منافع ہیں، وہ

بیان فرمائے۔ اسی سلسلے میں فرمایا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم سردار انبیاء ہیں۔ لیکن
مکہ معظمہ سے نکالا گیا۔ پتھر مارے گئے۔ زہر دیا گیا وغیرہ۔

(۱۳۱) ایک دفعہ اس آیت کی:

وَلَئِنْ شِئْنَا لَنَذْهَبَنَّ	اور اگر ہم چاہیں، تو جس قدر
بِالَّذِيٓ اَوْحَيْنَآ اِلَيْكَ	آپ پر وحی بھیجی ہے سب
ثُمَّ لَا تَجِدُ لَكَ بِهٖ	سلب کرلیں، پھر اس کیلئے آپ کو
عَلَيْنَا وَكِيْلًا ؕ (پارہ ۱۵)	ہمارے مقابلے میں کوئی حمایتی بھی نہ ملے۔

تشریح فرماتے ہوئے حضرت مفتی صاحبؒ پر گریہ کی کیفیت طاری ہوگئی، کہ اس
میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو خطاب ہے کہ ہم چاہیں تو آپ کے دل پر مہر لگادیں
اور آپ سے اُن علوم و معارف کو چھین لیں جو وحی کے ذریعے ہم نے آپ کو دیئے
بعد میں اس آیت:

وَلَوْلَآ اَنْ ثَبَّتْنٰكَ لَقَدْ	اگر ہم نے آپ کو ثابت قدم نہ
كِدْتَّ تَرْكَنُ اِلَيْهِمْ	بنایا ہوتا، تو آپ ان کی طرف
شَيْئًا قَلِيْلًا ؕ	کچھ کچھ جھکنے کے قریب جا پہنچتے،

کی وضاحت فرماتے ہوئے فرمایا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی عظمتِ شان اور
حق تعالیٰ کے ہیبتِ خطاب کو دیکھئے۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کا کلام ہے۔

(۱۳۲) تسبیح وغیرہ رکھنے کے سلسلہ میں فرمایا کہ عمل للخلق تو ریا ہے ہی

ترکِ عمل للخلق بھی ریا ہے۔ لوگوں کی وجہ سے عمل کو چھوڑنا بھی ریا ہے۔ بحوالہ اعلٰحضرت تھانوی قدس سرہ العزیز فرمایا کہ مخلوق کو دیوار کی طرح سمجھنا چاہیئے۔

(۱۳۳) "شرف المکالمہ" کے حوالہ سے فرمایا کہ اس دنیا میں رہنا بھی بڑی نعمت ہے کہ جنت کا سامان کرنے کا یہاں موقع دیا جاتا ہے۔

(۱۳۴) فرمایا کہ حضرت والا تھانویؒ نے حضرت مولانا پیر مہر علی شاہ صاحبؒ گولڑوی کی کتاب "تحقیق الحق" کی تعریف فرمائی ہے۔ احقر سے فرمایا کہیں سے پیدا کرو۔ مل جائے گی۔

(۱۳۵) اپنی وصایا میں اولاد کو نصیحت فرمائی ہے کہ بہشتی زیور، جزاالاعمال، تعلیم الدین، مواعظ، ملفوظات حضرت تھانوی صاحبؒ کو مطالعہ میں رکھنا۔

(۱۳۶) فرمایا کہ غفلت اسبابِ کفر میں سے ہے۔

(۱۳۷) فرمایا جب محبت ہوتی ہے تو محبوب کے کوچہ سے، اس کے کتّے سے اس کی دیواروں سے بھی محبت ہوتی ہے۔

(۱۳۸) جزاالاعمال کے ذکر میں فرمایا کہ دنیا خود آجاتی ہے۔ گو مقصود نہیں ہے۔ بیت اللہ شریف کے راستہ میں کراچی خود آ جاتی ہے۔

(۱۳۹) فرمایا کہ ٹانگ کٹی ہوئی ہے۔ لیکن ایسا محسوس ہوتا ہے کہ ٹانگ کو درد ہوتا ہے۔ اس سے عذابِ قبر ثابت ہوتا ہے۔

فَمَنْ يَّعْمَلْ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ   جو شخص ذرہ برابر نیک عمل کریگا

خَیْرًا یَّرَہٗ ط وَمَنْ — اس کو دیکھ لے گا - اور جو شخص
یَّعْمَلْ مِثْقَالَ ذَرَّۃٍ — ذرہ برابر بُرا عمل کرے گا اس کو
شَرًّا یَّرَہٗ - — بھی دیکھ لے گا -

کی تشریح فرماتے ہوئے بیان فرمایا کہ "خَیْرًا یَّرَہٗ" میں یاس کا علاج ہے کہ حق تعالیٰ فرماتے ہیں کہ ہم تمہاری معمولی نیکی کو بڑھا دیں گے اور شَرًّا یَّرَہٗ میں عُجب اور خود بینی کا علاج ہے - کہ تمہاری معمولی شر بھی موجب گرفت ہو گی -

(۱۴۰) حضرت خواجہ صاحب مجذوبؒ کے متعلق فرمایا کہ وہ ایک جلسہ میں چوبیس ہزار بار ذکر اسم ذات کرتے تھے - پھر بھی خواجہ صاحب فرماتے تھے کہ نہ جانے ایمان بھی ہے کہ نہیں -

(۱۴۱) فرمایا کہ خواہ نماز پڑھے یا نہ پڑھے، روزہ رکھے یا نہ رکھے، لیکن اس کے دل میں اگر دین کی عظمت و ہیبت ہو، تو ایمان ہے - کبھی نہ کبھی نجات ہو ہی جائیگی -

(۱۴۲) فرمایا کہ حضرت مولانا محمد قاسم صاحبؒ کا ارشاد ہے کہ ترک تو کوئی مشکل نہیں، فعل مشکل ہے - چھوڑنے میں تو کچھ کرنا نہیں پڑتا - فعل میں تو کرنا پڑتا ہے -

(۱۴۳) فرمایا رخصت میں عبدیت، عزیمت سے زیادہ ہے -

(۱۴۴) وعظ و تقریر کے سلسلہ میں ایک صاحب سے فرمایا کہ واعظ کی نیّت یہ ہو کہ سامعین کے اندر دین آ جائے - ان مساکین سامعین کے قلوب تمہارے سامنے بچھے ہوئے ہیں -

(۱۴۵) فرمایا کہ جب گھر سے سفر پر نکلو تو یہ کلمے کہہ دیا کرو۔ اَللّٰھُمَّ اَنْتَ الصَّاحِبُ فِی السَّفَرِ وَالْخَلِیْفَۃُ فِی الْاَھْلِ یا اس کا ترجمہ کہہ لیا کرو کہ "اے اللہ تو ہی ساتھی ہے سفر میں اور تو ہی میرے اہل و عیال میں میرا خلیفہ ہے"

(۱۴۶) پیدا کرنے کے بعد بھی تم ہر لمحہ ہماری تربیت کے محتاج ہو۔ یوں نہیں کہ پیدا ہونے کے بعد خود بخود چل رہے ہو۔ بلکہ قلم بدستِ کاتب کی طرح ہو اور محتاج ہو جو جس کو ملتا ہے وہ ہم ہی دیتے ہیں کہ دل ہمارے قبضہ میں ہے اور ہاتھ سڑک ہے۔ ہمارے دینے کی کہ زید اور عُمر کے ہاتھ سے دلا دیا۔ اس بات کے سوچنے سے قدرتِ حق کا مشاہدہ ہوتا ہے۔

(۱۴۷) فرمایا محبت کا دعویٰ کر کے پھر موت کو اچھا نہ سمجھنا اور حق تعالےٰ سے ملاقات کرنے اور ان کی طرف جانے کو کڑوا سمجھنا اچھا نہیں۔ اس سلسلہ میں مولنٰا ادریس کاندھلوی صاحبؒ کے اشعار جو موت کے متعلق تھے انکو بار بار پڑھتے تھے

(۱۴۸) فرمایا کہ یہاں کی خوشی بھی عارضی ہے اور غم بھی عارضی۔ نہ خوشی کو رہنا ہے نہ مصیبت کو۔ اس ضمن میں مراقبۂ موت کے اشعار سنائے۔

(۱۴۹) فرمایا کہ قلب کو نقش و نگار یعنی کیفیات سے بھی خالی ہونا چاہیئے اس ضمن میں فرمایا کہ تبلیغ کے لیئے بھی عقل و فکر کی بہت ضرورت ہے کہ دوسرے کو حقیر نہ سمجھے کیونکہ عاصی پہلے ہی سے قابلِ رحم ہے۔

(۱۵۰) فرمایا کہ حضرت (حکیم الامت تھانویؒ) کے انتقال کے بعد میں بڑی

پیرانی صاحبہ کے دولت خانہ پر حاضر ہوا۔ لیکن دروازہ کے باہر کی جانب ٹھہرا۔ اور حضرت پیرانی صاحبہ دروازہ کے ساتھ اندر کی جانب پردہ میں تھیں میرے اظہارِ غم اور افسوس کے جواب میں فرمایا کہ مولانا صاحب کی حیات میں بھی میری نظر مولانا صاحب پر نہ تھی بلکہ مولانا صاحب کے مولیٰ پر تھی۔

(۱۵۱) حضرت مفتی صاحبؒ نے اپنی بڑی تسبیح کسی صاحب کو دھاگہ ڈالنے کے لئے دی۔ دیتے وقت فرمایا کہ جلدی واپس دینا کہ یہ میری جان ہے۔ جان سے جدائی کیسے ہو سکتی ہے۔

(۱۵۲) فرمایا کہ دنیا کچھ بھی نہیں۔ آخرت میں جاکر پھر قرب میں ترقی نہیں ہو سکتی۔ یہ ترقی اعمال ہی سے ہوتی ہے اور اعمال کا تعلق چونکہ جسم اور روح سے ہے اس لئے تم کو عالمِ ارواح سے یہاں بھیجا گیا ہے۔

(۱۵۳) فرمایا کہ اس زمانہ میں پیدا ہونا بھی اللہ تعالیٰ کی بڑی نعمت ہے کہ تھوڑے سے عمل پر بھی بڑا اجر ملتا ہے۔ کام تھوڑا اور مزدوری زیادہ۔ دُوسری نعمت یہ ہے کہ حضرت (والا تھانوی صاحبؒ) سے تعلق پیدا ہوگیا۔ جو اس سلسلہ میں بواسطہ یا بلاواسطہ حضرت تھانویؒ سے متعلق ہوگیا اس کا خاتمہ ایمان پر ضرور ہوگا انشاء اللہ تعالیٰ۔

(۱۵۴) فرمایا کہ حضرت (والا تھانویؒ) فرمایا کرتے تھے کہ پاسِ انفاس سے دماغ کو کوفت ہوتی ہے۔ کمزور آدمی کے دماغ پر اس سے اثر ہوتا ہے۔ بجائے اس

کے کثرتِ ذِکر کیا جائے۔ کثرتِ ذِکر سے وہی پاسِ انفاس والی بات حاصل ہو جائیگی

(۱۵۵) فرمایا ہوئی بُری نہیں اس کا اتباع بُرا ہے شیخ بُرا نہیں اس کی اطاعت بُری ہے دِل میں تقاضائے شہوت بُرا نہیں اس پر عمل کرنا بُرا ہے کیونکہ تقاضا غیر اختیاری امر ہے۔

(۱۵۶) موت کے سلسلہ میں فرمایا یہاں کی زندگی کچھ بھی نہیں۔ سب بازار میں پھر رہے ہیں۔ آخر سب کو ایک جگہ جمع ہو جاتا ہے۔ کسی کو پہلے بازار سے واپس آ جانا ہے کسی کو کچھ دیر ٹھیر کر۔

لَاصَلٰوۃَ اِلَّا بِحُضُوْرِ الْقَلْبِ کی تشریح کرتے ہوئے فرمایا کہ جس درجہ کا احضار ہوگا اسی درجہ کا حضور ہوگا۔ حضور احضار کے تابع ہے۔ خشوع نام محویت اور استغراق کا نہیں ہے۔ بلکہ توجہ الی اللہ کا نام ہے۔ اگر محویت اور استغراق کا نام خشوع ہوتا تو حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کا دھیان بچے کے رونے کی طرف نہ جاتا۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ نماز کی حالت میں جب میرے کان میں بچے کے رونے کی آواز آتی ہے تو جی میں آتا ہے کہ نماز توڑ کر جا کر بچے کو چپ کراؤں۔ معلوم ہوا کہ خشوع نام استغراق کا نہیں۔

(۱۵۷) فرمایا کہ حضرت والا (تھانویؒ) نے قسم کھا کر فرمایا کہ جو احکام مامور بہ خوب بنا کر ادا کرے جیسے نماز وغیرہ اور کچھ وقت بلاناغہ اللہ اللہ کرے یعنی ذکر کرے اور کچھ وقت اللہ والے کی صحبت میں بیٹھا کرے۔ ضرور ضرور اس کے اندر اللہ تعا

کی محبت پیدا ہوجائے گی کہ اہلِ محبت کے پاس بیٹھنے سے محبت وعشق پیدا ہوتا ہے

(۱۵۸) فرمایا مَنْ تَشَبَّهَ بِقَوْمٍ فَهُوَ مِنْهُمْ (جو شخص جس قوم کی شباہت اختیار کرے وہ انہی میں سے ہے) ہم صالحین میں سے تو نہیں۔ لیکن اپنے ظاہر کو صالحین کے مشابہ بنانا چاہتے ہیں۔ وعظ اور ملفوظات پڑھنے اور سنانے کے سلسلہ میں فرمایا کہ ہم یہ حیلے کر رہے ہیں۔ ایمان اور نجات کے لئے اصل چیز تو اور ہے'

(۱۵۹) احقر جامع ملفوظات سے ایک موقع پر فرمایا کہ میرے قریب ہوکر بیٹھو پھر ہاتھ پکڑکر اپنے قریب کیا۔ نیز فرمایا کہ یہ حرص کرنے کی جگہ ہے آگے بیٹھنا چاہیئے۔

(۱۶۰) فرمایا کہ تعلق مع اللہ پیدا کرو۔ اس کا طریقہ اتباعِ احکامِ ظاہریہ اور باطنیہ ہے۔ ان دونوں کا اتباع ہوگا۔ تب تعلق مع اللہ پیدا ہوگا۔ اس سلسلہ میں فرمایا کہ مولوی صاحبان میں صرف احکامِ ظاہریہ ہوتے ہیں۔ باطنیہ کا خیال نہیں کرتے۔ فقہ احکامِ ظاہریہ ہے اور تصوف وسلوک احکامِ باطنیہ ہے احکامِ ظاہریہ اور باطنیہ دونوں منصوص ہیں۔

(۱۶۱) فرمایا کہ پستی (تواضع) بڑی دولت ہے۔ مگر پستی کو اس لئے اختیار نہ کرے کہ بلندی ملے۔ پھر وہ پستی نہیں، وہ تدبیر ہے بلند بننے کی۔

(۱۶۲) بحوالہ حضرت تھانوی رحؒ فرمایا کہ حضرت والا فرمایا کرتے تھے کہ اس طریق میں اول قدم بھی پستی ہے اور آخر بھی پستی ہے۔ بغیر اس کے ورد و وظائف کچھ بھی فائدہ مند نہیں۔

(۱۶۳) فرمایا لوگ کہتے ہیں کہ دُنیا نقد ہے اور آخرت ادھار ہے۔ یہ غلط ہے یہ اس کو نہیں دیکھتے کہ دنیا میں بھی ادھار کا معاملہ ہے، مثلاً زراعت کو دیکھیں کہ کتنی مشقت اور انتظار کے بعد غلہ آتا ہے۔ اسی طرح نوکری کو دیکھیں، تجارت اور دکانداری کے حالات کو دیکھیں کیا یہ نقد ہیں؟ پھر دنیا میں جو کچھ عرصہ کے بعد ملتا ہے۔ وہ احتمالی ہوتا ہے اور غیر یقینی اور آخرت میں جو ملے گا وہ یقینی ہے ؎

این قدر گفتیم باقی فکر کُن　　　فکر اگر جامد بود رَو ذِکر کُن

(اتنا ہم نے کہہ دیا باقی فکر کرو۔ اور اگر فکر ناکارہ ہو جائے تو ذِکر کرو)

(۱۶۴) فرمایا کہ ایمان اللہ تعالیٰ کا عطیہ ہے اور سخی بادشاہ عطیہ دے کر واپس نہیں لیا کرتے اس لئے انشاء اللہ تعالیٰ ایمان کے ساتھ دنیا سے جائیں گے۔

(۱۶۵) پُل صراط کے سلسلہ میں فرمایا کہ اتباعِ سنّت کی وجہ سے باریک چیز بڑی نظر آنے لگے گی۔ جیسے خوردبین سے بال ایک منارے کے برابر نظر آتا ہے تو اتباعِ شریعت کی برکت سے ایسی خوردبین مل جائے گی کہ پل صراط ایک چوڑی سڑک معلوم ہوگی اور اس پر گذرنا آسان ہو جائے گا۔

(۱۶۶) فرمایا کہ شوق و محبت قائد ہے اور خوف سائق ہے۔ قائد کہتے ہیں آگے سے کھینچنے والے کو اور سائق کہتے ہیں پیچھے سے ہانکنے والے کو۔

(۱۶۷) فرمایا کہ قوت مرض کے لئے دافعہ بھی ہے اور رافعہ بھی۔ پیدا شدہ کے لئے تو رافعہ ہے اور باہر سے آنے والے کے لئے دافعہ ہے۔ لہٰذا متخیلہ کو

مضبُوط رکھنا چاہیئے۔

(۱۶۸) فرمایا کہ حضرت مولانا انور شاہ صاحبؒ نے ایمان کے یہ معنی فرمائے ہیں کہ "پیغمبر کے بھروسہ پہ احکام کو ماننا"

(۱۶۹) فرمایا فجر کی دو سنّتیں دنیا وما فیہا سے بہتر ہیں۔ میں نے ایک دفعہ عیدگاہ امرتسر میں دورانِ وعظ میں کہا کہ اگر مسلمان کو کہا جائے کہ ساری دنیا کی حکومت لے لو اور صبح کی سنّت ترک کر دو۔ فلاں بھی لے لو، فلاں بھی لے لو۔ لیکن سنّت فرض چھوڑ دو۔ جو مسلمان ہو گا وہ کبھی یہ پسند نہیں کرے گا۔ دولت و ملک لینا چھوڑ دے گا سنّتِ فجر ترک نہ کرے گا۔

(۱۷۰) فرمایا کہ پستی سے قرب حاصل ہوتا ہے۔ پستی بڑی نعمت ہے۔ وَاسْجُدْ وَاقْتَرِبْ کی تشریح فرماتے ہوئے فرمایا کہ سجدہ میں چونکہ پستی کا اظہار ہے اس لئے فرماتے ہیں کہ سجدہ کرو اور قرب حاصل کرو۔

(۱۷۱) بحوالہ حضرت تھانویؒ فرمایا کہ ترقی فی الدرہم ترقی فی الورم جیسی ہے۔

(۱۷۲) فرمایا کہ نِرا علم کافی نہیں اور نِری صحبت کافی ہے۔

(۱۷۳) فرمایا کہ دین کی ایک صورت ہے اور ایک حقیقت۔ اگر کسی کو دین کی حقیقت کا پتہ چل جائے اور دین کی حقیقت حاصل ہو جائے تو سمجھو کہ بڑی دولت مل گئی۔

(۱۷۴) فرمایا کہ آگ کے ذریعے کتنے کام اور کتنے کارخانے چل رہے ہیں اور یہ دنیا کی آگ بطور نمونہ ہے تاکہ جہنم کی آگ سے خوف پیدا ہو کہ دنیا کی معمولی آگ کو

جب ہاتھ نہیں لگا سکتے۔ تو جہنم کی آگ جو ستر حصے اس سے زیادہ ہے۔ اس میں داخل ہونا کتنا خوفناک ہوگا۔

(۱۷۵) سلوک و جذب کی تشریح کرتے ہوئے فرمایا کہ راہِ جذب قریب ہے جذب کہتے ہیں کھینچنے کو۔ حق تعالیٰ کسی کو کھینچ لیں۔ سلوک کہتے ہیں شیخ کی تعلیم کے مطابق طریق باطن کو طے کرنا۔ سلوک کے بعد جو جذب ہوتا ہے اس کی مثال صبح کے نور کی ہے جو پائیدار ہوتا ہے۔ سلوک کے پہلے جو جذب ہوتا ہے اس کی مثال شمع جیسی ہے جو ناپائیدار ہوتا ہے۔

(۱۷۶) فرمایا حضرت تھانویؒ کی دو نصیحتوں پر عمل کرنا چاہیئے۔ علم کامل ہو، علم ناقص نہ ہو۔ دوسرے یہ کہ استغنا رحالی وقالی (یعنی کپڑے پھٹے پرانے نہ ہوں)

(۱۷۷) فرمایا کہ فرعون نے سَحَرہ کو کتنا ڈرایا دھمکایا۔ ساحروں نے کہہ دیا فَاقْضِ مَا اَنْتَ قَاضٍ (فیصلہ کرلو جو تم کو کرنا ہے) حضرت موسیٰ علیہ السلام کی نظر پڑنے سے کہاں سے کہاں پہنچ گئے۔

(۱۷۸) فرمایا موت کے وقت کوئی مؤمن موت سے نہیں ڈرتا۔ بلکہ فوت سے ڈرتا ہے۔ کہ اعمال صالحہ کرنے میں مجھ سے کوتاہی ہوئی ہے۔

(۱۷۹) فرمایا جس طرح کسان کے لئے تخم ریزی کے وقت پر تخم ریزی ضروری ہے۔ ورنہ فصل ہونے کی امید نہیں ہوتی۔ اسی طرح انسان کو آخرت کی دائمی زندگی

کے لئے اس دُنیا میں اعمالِ صالحہ کی تخم ریزی کرنی چاہیئے۔ تاکہ آخرت میں اس کا پھل حاصل کر سکے، ہر وقت اسبابِ نجات فراہم کرتا رہے۔

(۱۸۰) فرمایا کہ انسان جب نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو نبیؐ سمجھتا ہے تو پھر حکمت اور فلسفہ کی تلاش نہیں کرنی چاہیئے۔ اگر حکمت کی تلاش کرتا ہے تو پھر عقل کا غلام ہوا۔ نبی صلے اللہ علیہ وسلم کا غلام تو نہ ہوا۔

(۱۸۱) فرمایا کہ نیک عمل سے دُنیا میں بھی جزا ملتی ہے کہ ایک نیکی کے بعد دوسری نیکی کی توفیق ہو جاتی ہے۔ گناہ کی سزا دنیا میں بھی ملتی ہے کہ ایک گناہ کے بعد دُوسرے گناہ کی جرأت ہو جاتی ہے۔

(۱۸۲) فرمایا ہر نیکی کا دھیان اللہ تعالیٰ ہی دل میں اول پیدا کرتے ہیں پھر بندہ اُس نیکی پر عمل کرتا ہے اس لئے اس پر ناز نہیں کرنا چاہیئے شکر کرنا چاہیئے کہ اللہ تعالیٰ نے توفیق بخشی ہے۔

(۱۸۳) ایک حدیث شریف کا مفہوم بیان کرتے ہوئے فرمایا کہ جب انسان سجدہ کرتا ہے تو اس کی پیشانی اور ناک اللہ تعالیٰ کے پاؤں پر ہوتی ہے اور اللہ تعالیٰ کے پاؤں کی تجلّی عرش پر ہوتی ہے۔ اس لئے انسان اس وقت عرش پر ہوتا ہے پھر یہ شعر پڑھا

تصوّرِ عرش پر ہے وقفِ سجدہ ہے جبیں میری
تو میرا پوچھنا کیا آسماں میرا زمیں میری

(۱۸۴) فرمایا وقت کی قدر کرو۔ مرتے وقت آدمی زمین و آسمان کے خزانے

بھی پیش کرے تو ایک منٹ بھی زندگی کا نہیں مل سکتا۔

(۱۸۵) فرمایا جنت میں کروڑ دفعہ بھی الحمد للہ کہے تو اس کا درجہ نہیں بڑھتا نہ ثواب ملتا ہے۔ دنیا میں ایک دفعہ الحمد للہ کہنا دُنیا کی تمام نعمتوں سے افضل ہے اس لئے وقت کی قدر کرو اور پیسہ کی بھی قدر کرو۔ بے کار ضائع نہ کرو۔ وقت بڑی قیمتی دولت ہے۔ اس کو ضائع نہ کرو۔ تسبیح و تحمید میں رہو۔ حضرت سلیمان علیہ السلام کا ارشاد ہے۔ جس کا مفہوم یہ ہے کہ ایک دفعہ تسبیح پڑھنا سلیمانؑ کے تخت و تاج و حکومت جن و انس و ہوا سے بڑھ کر ہے۔

(۱۸۶) فرمایا تکبر بہت بُری چیز ہے۔ یہ کُفر سے بہت ہی قریب ہے اس سے بچنا چاہیئے۔ اپنے آپ کو مجلس میں سب سے حقیر سمجھنا چاہیئے۔

(۱۸۷) فرمایا دو کلمے اللہ تعالیٰ کو بہت پسند ہیں۔ زبان پر بڑے ہلکے اور قیامت کے دن ترازو پر بڑے بھاری ہوں گے۔

سُبْحَانَ اللّٰہِ وَبِحَمْدِہٖ، سُبْحَانَ اللّٰہِ الْعَظِیْمِ

(۱۸۸) فرمایا کہ حضرت تھانویؒ رحمہ اللہ فرماتے تھے کہ میں ہمیشہ مہمان کو رخصت کرتے وقت دروازہ تک ساتھ جاتا ہوں اور جب تک دکھائی دے دروازہ بند نہیں کرتا۔

(۱۸۹) فرمایا کہ میّت کا بھی حق ہے کہ صدمہ سے روئے۔ مگر زبان سے کوئی کلمہ خلافِ ادب نہ نکلے۔ اللہ تعالیٰ کا یہ حق ہے کہ میّت پر صبر کرے کہ اللہ تعالیٰ کی مِلک

تھی۔ اسی نے لے لی۔ ہم اُسی کی رضا پر راضی ہیں۔ صبر پر ثواب کی خوش خبری یاد کرے۔ اسی سے صدمہ ہلکا ہو جاتا ہے۔ اس آیت شریفہ کو یاد کرے۔ اِنَّ اللّٰہَ مَعَ الصّٰبِرِیْنَ (بے شک اللہ تعالیٰ صبر کرنے والوں کے ساتھ ہے) ——— اور بَشِّرِ الصّٰبِرِیْنَ کی تفسیر فرمائی کہ اللہ تعالیٰ نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو حکم دیا تھا کہ صابرین کو بشارت دیں۔ یہاں تک کہ ان کے چہرے پر خوشی کے آثار ثواب و بشارت کی وجہ سے نمایاں ہو جائیں۔

(۱۹۰) فرمایا نسبت تعلقِ طرفین کا نام ہے۔ اللہ تعالیٰ کا تعلق بندہ سے ہو جائے اور بندہ کا تعلق اللہ تعالےٰ سے ہو جائے اور بندہ اطاعت میں دوام کرے اور کثرت سے ذِکر کرے۔ اس کا اثر یہ ہوتا ہے کہ پھر تعلق قوی ہو جاتا ہے۔ اور حق تعالیٰ کا قُرب و رضا نصیب ہوتی ہے۔ بندہ کی طرف سے طاعت میں دوام اور ذِکر میں کثرت نسبت کے آثار ہیں۔

(۱۹۱) فرمایا کہ حضرت (تھانوی رحؒ) کی مجلس میں ہر شخص یہی سمجھتا تھا کہ اس مجلس میں سب سے ذلیل مَیں ہوں۔

(۱۹۲) فرمایا تقدیر عِلم الٰہیؔ کو کہتے ہیں۔

(۱۹۳) فرمایا اصل چیز کام کرنا ہے۔ اُس کا موقع دُنیا ہی میں ہے جب رُوح بدن سے نکل جائے گی۔ پھر کروڑ جتن کرے نہ ملے گی۔ وہ نعمت جو دنیا میں ہے جنت میں نہ ملے گی اور وہ ایسی نعمت ہے کہ جنت کی نعمتیں بھی جب ہی ملیں

گی کہ وہ نعمت دُنیا میں حاصل ہو جاوے اس لئے دنیا بڑی نعمت کی جگہ ہے اور وہ نعمت یہاں سے آسانی سے ملتی ہے وہ نعمت ذکر الٰہیؒ ہے۔

(۱۹۴) فرمایا دنیا کو کم لوگوں نے سمجھا ہے۔ ایک سانس بھی یہاں غفلت میں نہ گذرنا چاہیئے۔

(۱۹۵) حدیث پاک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اَلدُّنْیَا مَزْرَعَۃُ الْاٰخِرَۃِ (یعنی دُنیا آخرت کی کھیتی ہے)، کی تشریح کرتے ہوئے فرمایا کہ جس طرح کسان تخم ریزی کا وقت ضائع نہیں کرتا۔ اسی طرح انسان کو چاہیئے کہ اس دُنیا کی مہلت اور دولتِ وقت کو ضائع نہ کرے۔ دُنیا میں زندگی کی مہلت بیش بہا خزانہ ہے۔ دراصل وقت ہی اصل سرمایۂ حیات ہے۔ اس کو بے کار اور بے فائدہ ضائع نہیں کرنا چاہیئے۔ اوقات کو آخرت کے اسباب، اعمالِ صالحہ میں اور ذکرِ الٰہی میں خرچ کرنا چاہیئے۔ مرتے وقت جب فرشتے جان کنی کے لئے آئیں گے تو انسان درخواست کرے گا کہ ایک منٹ کی مہلت مل جائے تو کچھ نیک عمل کر لوں، مگر دنیا کے خزانے بھی پیش کرنے پر مہلت نہ ملے گی۔ اس لئے جو وقت میّسر ہے، اس کو غنیمت سمجھنا چاہیئے اور اس کو ذکرِ الٰہی میں خرچ کرنا چاہیئے۔ مرنے کے بعد کروڑ دفعہ بھی سبحان اللہ پڑھے تو اس کو بال برابر بھی نفع نہ ہوگا۔ کیونکہ وہ دارالجزا ہے اور دُنیا دارالعمل ہے۔ اس میں عمل کا موقع ہے۔

(۱۹۶) فرمایا ہر عمل ایک نوُر ہے۔ کبھی سلوک کے پہلے جذب ہوتا ہے اور

کبھی سلوک کے بعد جذب ہوتا ہے۔ سلوک کے بعد جو جذب ہوگا وہ پختہ ہوگا اس پر جو عمل ہوگا اس کی مثال صبح کا نور ہے جس کو نقصان کا اندیشہ نہیں اور سلوک سے پہلے جو جذب ہوگا۔ وہ گویا شمع کا نور ہے۔ اس میں خطرہ بجھنے کا بھی ہے، انسان کو چاہیئے کہ کام میں لگا رہے اس سے جذب کی نعمت بھی میسر ہوگی انشاءاللہ۔

(۱۹۷) فرمایا عین کام کے وقت کام کی مزدوری پر دھیان نہیں کرنا چاہیئے کہ میرا عمل مقبول ہوگا یا نہیں۔ تو اگر کام میں لگ جائے گا (یاد الٰہی میں) تو اللہ تعالیٰ توفیق بخشیں گے اور کام کو آسان کر دیں گے۔

(۱۹۸) فرمایا کہ ایک سیشن جج سے تقدیر کے متعلق گفتگو ہوئی۔ میں نے اُن سے کہا کہ نہ صرف مسلمان بلکہ ہر فردِ بشر جو خدا تعالیٰ کا قائل ہو تقدیر کے ماننے بغیر نہیں رہ سکتا۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ کو آنے والے واقعات کا علم ہے اور اگر علم نہ ہو تو پھر نعوذ باللہ اللہ تعالیٰ کی ذات میں عیب پایا جائے گا۔ اور حق تعالیٰ عیب سے پاک ہیں۔ جب یہ ثابت ہوگیا کہ اللہ تعالیٰ عالم ہیں۔ تو تقدیر کے معنی بھی علم کے ہیں صرف مسلمان نے یہ قید بڑھا دی کہ لوحِ محفوظ میں یہ لکھا گیا ہے۔ بس اللہ تعالےٰ کے علم میں ہے کہ زید اپنے ارادہ سے فلاں کو قتل کرے گا۔ یا چوری کرے گا۔ اس پر اس نے سوال کیا کہ یہ پیدا کیوں کیا گیا؟ تو میں نے کہا یہ تو مسئلہ خَلق آپ نے چھیڑ دیا تقدیر کا مسئلہ تو ختم ہوگیا۔

(۱۹۹) ایک عالم فاضل کے بارے میں فرمایا کہ حضرت (تھانویؒ) نے ان میں

تکبر دیکھ کر اُن سے فرمایا کہ "مولانا خانقاہ والوں کے جوُتے سیدھے کیا کرو"۔

(۲۰۰) مولانا سید سلیمان ندویؒ کے حوالہ سے فرمایا کہ انہوں نے ایک دفعہ بوقت رخصت تھانہ بھون میں حضرت (تھانویؒ) سے درخواست کی کہ مجھے کوئی نصیحت فرمائیں حضرت (تھانویؒ) نے فرمایا کہ آپ عالم، فاضل، مصنف ہیں میں آپ کو کیا نصیحت کروں، سیّد صاحب فرماتے ہیں کہ میں نے عرض کیا کہ آپ کی زبان مبارک سے سُننا چاہتا ہوں۔ اس پر فرمایا کہ میں نے اپنے بزرگوں سے ایک ہی سبق پڑھا ہے وہی سب کو پڑھاتا ہوں اور وہی آتا ہے اور وہ یہ ہے کہ "جہاں تک ہو سکے اپنے آپ کو مٹا دینا چاہیئے"۔

(۲۰۱) فرمایا کہ اللہ تعالیٰ کی عظمتِ شان پر نظر کی جائے تو اندر سے آواز آتی ہے اور تقاضا ہوتا ہے کہ "اللہ اکبر" کہا جائے۔

(۲۰۲) فرمایا کہ حضرت تھانویؒ فرمایا کرتے تھے کہ مولانا گنگوہیؒ کی صورت مبارک دیکھتے ہی شبہات دور ہو جایا کرتے تھے ؎

اے لقائے تو جوابِ ہر سوال مشکل از تو حل شود بے قیل و قال

(یعنی آپ کی ملاقات ہی سے ہر سوال کا جواب مل جاتا ہے اور ہر مشکل بغیر قیل و قال کے حل ہو جاتی ہے)

(۲۰۳) وَالَّذِيْنَ جَاهَدُوْا فِيْنَا لَنَهْدِيَنَّهُمْ سُبُلَنَا اِنَّ اللّٰهَ لَمَعَ الْمُحْسِنِيْنَ (یعنی جو لوگ ہمارے راستہ میں مجاہدہ اور محنت کرتے

ہیں ۔ ہم ان کو اپنے راستے دکھلا دیں گے ۔ بے شک اللہ تعالیٰ نیک کام کرنے والوں کے ساتھ ہے) کی تشریح کرتے ہوئے فرمایا کہ ہدایت کے دو معنی ہیں یہاں ہدایت کے یہ معنی ہیں کہ ہاتھ پکڑ کر پہنچانا ۔ راستہ بتانے کے معنی یہاں نہیں ہیں ۔

فینا میں یا تو فی سببیہ ہے یعنی جَاهَدُوْا لِاَجْلِنَا ترجمہ یہ ہوگا کہ جو ہمارے واسطے محنت برداشت کرتے ہیں ۔ یا ظرفیہ ہے تو مضاف مقدر ہے یعنی جَاهَدُوْا فِیْ دِیْنِنَا ترجمہ یہ ہوگا کہ جو ہمارے دین میں محنت کرتے ہیں اور دین خدا کا راستہ ہے اگر فی سببیہ ہے تو اس کا فائدہ یہ ہوگا کہ ہدایت سبیل کا وعدہ اسی مجاہد کے لئے ہے جو محض ہمارے لئے مجاہدہ کرے ۔ ریاء وغیرہ کے لئے نہ کرے ۔ اور اگر ظرفیہ ہے تو فائدہ تقید کا یہ ہوگا کہ یہ وعدہ ہر مجاہدہ کرنے والے کے لئے نہیں ۔ بلکہ اس شخص کے لئے ہے جو شریعت کے مطابق مجاہدہ کرے ۔

اور اِنَّ اللّٰہَ لَمَعَ الْمُحْسِنِیْنَ کا حاصل یہ ہے کہ تم گھبراؤ نہیں ۔ جب تم مجاہدہ کرو گے ۔ ہم تم کو منزل مقصود تک پہنچا دیں گے اور راستہ اس طرح قطع ہوگا کہ ہم خود تمہارے ساتھ ساتھ ہوں گے ۔ جب تم تھک جاؤ گے ہم تم کو گود میں اٹھا کر پہنچا دیں گے ۔ یعنی حق تعالیٰ فرماتے ہیں کہ تم بے فکر رہو ہم تم کو خود لے کر چلیں گے تنہا نہ چھوڑیں گے ۔

اِنَّ اللّٰہَ لَمَعَ الْمُحْسِنِیْنَ بڑھا کر اس پر بھی تنبیہ فرما دی کہ ہم ہر مجاہدہ کرنے والے کے ساتھ نہیں ہوتے بلکہ جو جو محسن ہو ہم اس کے ہمراہ ہوں گے ۔

(۲۰۴) آیت وَلَقَدْ هَمَّتْ بِهٖ وَهَمَّ بِهَا لَوْلَآ اَنْ رَّاٰ بُرْهَانَ رَبِّهٖ۔ (ترجمہ اس عورت کے دل میں تو اُن کا خیال عزم کے درجہ میں جم ہی رہا تھا۔ اور ان کو بھی اس عورت کا خیال ہو چلا تھا) اسکی تشریح بحوالہ حضرت تھانویؒ اس طرح فرمائی کہ اس میں لَوْلَآ اَنْ رَّاٰ بُرْهَانَ رَبِّهٖ (اگر اپنے رب کی دلیل کو انہوں نے نہ دیکھا ہوتا) ہے جو شرط مؤخر ہے هَمَّ بِهَا کی۔ یعنی اگر برہان رب نہ دیکھتے تو ارادہ کر لیتے۔ تو یہاں هَمَّ کا اثبات ہی نہیں جو اس کی ضرورت ہو کہ هَمَّ کو عزم سے قبل مانا جائے۔ بلکہ هَمَّ کی نفی مقصود ہے اور دلیل اس کی یہ ہے کہ آگے فرماتے ہیں:۔

كَذٰلِكَ لِنَصْرِفَ عَنْهُ السُّوْٓءَ وَالْفَحْشَآءَ (ترجمہ:۔ اسی طرح ہم نے ان کو علم دیا تاکہ ہم ان سے صغیرہ اور کبیرہ گناہوں کو دُور رکھیں) تو اس میں ان سے صغائر اور کبائر کی نفی فرما رہے ہیں کہ قرینہ ہے اس کا کہ ہمّ کی یہاں نفی کی جا رہی ہے نہ کہ اثبات۔ گو بعض نے کہا ہے کہ لَوْلَا کی جزاء مقدم نہیں ہوتی لیکن اول تو اس میں اختلاف ہے دُوسرے اگر مان بھی لیں کہ لَوْلَا کی جزاء مقدم نہیں ہوتی، تو یہ لَوْلَآ اَنْ رَّاٰ بُرْهَانَ رَبِّهٖ۔ شرط پر دلالت کرنے والا ہوگا اور شرط محذوف مقدم ہوگی۔ بہرحال یہاں هَمَّ کا اثبات نہیں هَمَّ کا مرتبہ اکثر علماءؒ کے نزدیک وہ ہے جس کے بعد فعل کا صدور ہوتا ہے اور وہ مرتبہ عزم کا ہے اور بعض نے هَمَّ کو عزم سے قبل کہا ہے اور وجہ اس کی یہ ہوئی کہ قرآن پاک میں

وَلَقَدْ هَمَّتْ بِهٖ وَهَمَّ بِهَا بھی ہے تو حضرت یوسف علیہ السلام کے لئے هَمَّ بِالْمَسْأَلَۃِ کا اثبات ہے اور انبیاء چونکہ معصوم ہوتے ہیں اس لئے عزمِ معصیت ان سے محقق نہیں ہو سکتا۔ اس لئے وہ اس کے قائل ہو گئے کہ ھمّ عزم سے پہلے ہوتا ہے۔ مگر محققین نے کہا ہے کہ اس کے قائل ہونے کی ضرورت نہیں ہے۔ اس سلسلہ میں حضرت مولانا پیر مہر علی شاہ صاحبؒ گولڑوی کی تحقیق وَلَقَدْ هَمَّتْ بِهٖ وَهَمَّ بِهَا کے متعلق بیان فرمائی کہ اس میں ھمِّ زلیخائی سے عزم بالجزم مع آمادگی اور ھمِّ یوسفی سے صرف میلان طبعی مراد ہے۔ یہی وجہ ہے کہ وَلَقَدْ هَمَّا بصیغۂ تثنیہ اور ایسا ہی وَلَقَدْ هَمَّ كُلُّ وَاحِدٍ مِنْهُمَا نہیں فرمایا گیا۔ گویا اشارہ ہے اسی بات کی طرف کہ ھمِّ یوسفی اور ھمِّ زلیخائی ایک جیسے اور ایک نوع سے نہیں تھے ہاں تعبیر بِالْهَمِّ صرف مشاکلت کے لئے کی گئی یعنی فعل یوسفی کا ذکر چونکہ فعل زلیخائی کے قرب وہمسائیگی میں کیا گیا ہے۔ لہٰذا ایک ہی لفظ کے ساتھ دونوں فعلوں سے تعبیر کی گئی اور ایک ہی شکل دونوں فعلوں کو دی گئی۔ ورنہ درحقیقت فعل یوسفی صرف میلان تھا جو طبعًا واضطرارًا انسان کامل الرجولیت کو ہوتا ہے نہ اختیارًا وقصدًا اور فعل زلیخائی اختیارًا وقصدًا نہایت ہی آمادگی کے ساتھ تھا۔

الغرض حضرت پیر صاحبؒ گولڑوی فرماتے ہیں کہ یہاں پر تین امر ہیں:

(۱) نفس کا میلان طبعی اضطراری۔

(۲) میلان اختیاری مع آمادگی وکمربستگی،

(۳) ارتکاب جُرم۔

وَلَقَدْ هَمَّتْ بِهٖ میں همّ زلیخا سے وہی دُوسرا امر مراد ہے اور هَمَّ بِهَا میں همّ یوسفی سے مراد امر اول یعنی نفس میلان ہے اور نمبر ۳ کا کوئی وجود نہیں۔

(۲۰۵) فرمایا کام ادب سے چلتا ہے گستاخی وبے ادبی سخت مُضر طریق ہے۔

(۲۰۶) فرمایا کہ وقت کی قدر کرو۔ مرتے وقت آدمی زمین وآسمان کے خزانے بھی پیش کرے تو ایک منٹ بھی زندگی کا نہیں مل سکے گا۔

(۲۰۷) فرمایا کہ سلوک کا مدار اخلاق پر ہے انسان کو چاہیئے کہ اخلاقِ رذیلہ دُور کرکے اپنے اندر اخلاق حمیدہ پیدا کرے۔

(۲۰۸) فرمایا قیامت کے دن اگر والدین کا رتبہ اُن کی اولاد سے زیادہ ہو گا۔ تو حق تعالیٰ ان کی اولاد کو بھی وہی رُتبہ عطا فرمائیں گے اور والدین کے رُتبہ میں کوئی کمی نہیں کی جائے گی۔

اسی طرح اگر اولاد کا رُتبہ زیادہ ہوا تو والدین کو اولاد کے رُتبہ میں پہنچا دیا جائے گا اور اولاد کے رُتبہ میں کوئی کمی نہ کی جائے گی۔

(۲۰۹) فرمایا عظمت ومحبت دو دربان ہیں جو شکوک وشبہات کو دل میں نہیں آنے دیتے۔

(۲۱۰) فرمایا وساوس کا علاج یہ ہے کہ ان کے دفع کرنے کے درپے نہ ہو، بلکہ توجہ کو دوسری طرف ہٹا لینا چاہیئے۔

(۲۱۱) فرمایا تمام احکام کے لئے قیود و شرائط ہیں۔ ذکر کے لیے کوئی قید و شرط نہیں۔ جو چیز ضروری ہوتی ہے، وہ بغیر قید و قیمت کے ہوتی ہے۔ ہوا ضروری ہے لیکن مفت ہے۔ اس لئے ذکر ہر حال میں کرنا چاہیئے اس کے لئے وضو کی بھی ضرورت نہیں۔

(۲۱۲) فرمایا توکّل کے یہ معنی ہیں کہ اسباب کو جمع کر کے نظر اللہ تعالےٰ پر رکھے۔ اسباب کی حقیقت ریل کی جھنڈی کی طرح ہے کہ سبز جھنڈی علامت ہے ریل کے چلنے کی اور سرخ جھنڈی علامت ٹھہرنے کی۔ مگر ان جھنڈیوں میں ذاتی قوت نہیں، وہ قوت تو انجن ڈرائیور میں ہے روکے یا نہ روکے۔

(۲۱۳) فرمایا کفار پر غلبے کا مدار اتباعِ شریعت ہے۔ کیونکہ صحابہ میں سوائے اس کے کوئی اور چیز نہ تھی۔ صرف یہی نصب العین تھا کہ شریعت کے حکم پر چلتے رہیں پس اس نصب العین کی وجہ سے ہمیشہ غالب رہے اور جب بھی اس میں کمی ہوئی فوراً غلبہ رُک گیا۔

(۲۱۴) فرمایا اسلام کا مقابلہ کرنے سے آخرت کا عذاب تو ہوگا ہی مگر دُنیا میں اہلِ بصیرت کے نزدیک یہ بڑا عذاب ہے کہ اسلام لانے کی استعداد و قابلیت چھین لیتے ہیں۔ وہ اس طرح کہ اسلام کی استعداد تو ہر کافر میں ہوتی ہے مگر

پیغمبرؐ کی تعلیم کو سُن کر اس کا مقابلہ کرتا ہے تو اس مقابلہ کا یہ اثر ہے کہ وہ استعداد کمزور ہونی شروع ہو جاتی ہے۔ پھر جُوں جُوں یہ مقابلہ میں ترقی کرتا ہے وہ استعداد کمزور ہوتی رہتی ہے۔ یہاں تک کہ بالکل ختم ہو جاتی ہے۔ خَتَمَ اللّٰہُ عَلٰی قُلُوْبِہِمْ (اللہ نے اُن کے دلوں پر مہر لگا دی) کے فرمانے کی یہی تفسیر ہے۔

(۲۱۵) فرمایا قیامت کا عقیدہ اور استحضار دونوں بڑی دولت ہیں اگر عقیدہ نہ ہو تو سب اعمال بیکار ہیں۔ اگر استحضار نہ ہو تو قیامت کی تیاری نہیں کیسے گا اور اس عقیدہ اور استحضار سے دُنیا میں آدمی خوش رہتا ہے کیونکہ دنیا کو اور اس کی ہر چیز کو عارضی اور فانی سمجھتا ہے اگر آ جائے تو خوشی نہیں، چلی جائے تو غم نہیں، اور بے چینی کا ذریعہ یہی ہے کہ دُنیا نہ آوے تو آنے کی فکر، آ گئی تو زائل ہونے کی فکر (یعنی یہ کہ کہیں زائل نہ ہو جائے) اگر زائل ہو گئی تو پھر اس کا صدمہ، سو اگر اس مصیبت سے بچنا چاہتے ہو، تو اس کا ایک ہی طریقہ ہے کہ قیامت کا استحضار پختہ کر لو ؎

کسی کو رات دن سرگرمِ فریاد و فغاں پایا کسی کو فکرِ گوناں گوں سے ہر دم سرگراں پایا
کسی کو ہم نے آسودہ نہ زیرِ آسماں پایا بس اک مجذوبؔ کو اس غمکدے میں شادماں پایا

جو بچنا ہو غموں سے آپ کا دیوانہ ہو جائے

(۲۱۶) فرمایا یہ مراقبہ کرنا چاہیئے کہ میرے تمام اعمال کو میرے تمام اعضا میں جذب کیا جا رہا ہے۔ یعنی جس عضو کا جو عمل ہے اس عضو میں وہ عمل جذب کیا جا

رہا ہے۔ جیسے گراموفون کا ریکارڈ بنایا جاتا ہے۔ اور قیامت میں جب اللہ تعالیٰ کے حکم کی سوئی اس پر لگے گی تو ہر جوڑ بولنے لگے گا۔ آنکھ کہے گی میں نے بدنیتی سے دیکھا تھا، کان، ناک وغیرہ کہیں گے کہ ہم نے بدنیتی سے سُنا اور سونگھا تھا۔ اسی طرح تمام اعضاء سے آواز نکلے گی پھر اس آواز کو کوئی نہیں بند کر سکتا۔

اس مراقبہ سے عمل صالح میں چستی اور گناہوں سے بچنے میں بڑی مدد ملتی ہے، مگر یہ کرنے کے کام ہیں نِرے دعوے سے کچھ نہیں ہوتا۔

(۲۱۷) فرمایا قرآن مجید میں قیامت کا ذکر بار بار آتا ہے۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ لوگ اس کی تیاری میں لگ جائیں۔

(۲۱۸) فرمایا جو لوگ یہ کہتے ہیں کہ شریعت الگ ہے اور طریقت الگ ہے، یہ جاہل ہیں۔ اس لئے کہ شریعت کے احکام میں دو حیثیتیں ہیں۔ ایک ظاہری یعنی نماز کے اوقات۔ رکعات، فرائض و سُنن کے احکام۔ وضو۔ تیمم کے احکام۔ زکوٰۃ کے مصارف وغیرہ۔ ان احکام کا نام فِقہ ہے۔ اور دُوسری باطنی۔ کہ نماز میں خشوع و خضوع ہو اور زکوٰۃ دے کر اندر سے دِل خوش ہو اور شکر کے موقع پر شکر، صبر کے موقع پر صبر کرے۔ یہ احکامِ تصوّف طریقت کہلاتے ہیں۔ یہ سب شریعت ہی سے ثابت ہیں۔ اس کے علاوہ دو چیزیں اور ہیں۔ ایک حقیقت، دُوسرے معرفت۔ کہ آدمی جب شریعت کے احکامِ فِقہ اور احکامِ طریقت پر عمل شروع کر دیتا ہے، تو اس پر احکامِ شرعیہ کی حکمتیں اور اسرار کھلنے لگتے ہیں۔ اس حالت کا نام حقیقت

ہے اور ان حکمتوں اور اسرار کے معلوم ہونے سے اللہ تعالیٰ کی عظمت اور اپنی پستی سمجھنے لگتا ہے۔ اس کا نام معرفت ہے اور مجموعہ کا نام شریعت ہے۔

(۲۱۹) فرمایا عقل کی دو قسمیں ہیں ایک عقلِ معاش یعنی دُنیا کمانے کی عقل یہ تو عام ہے۔ انسان اور حیوان دونوں میں پائی جاتی ہے۔ دوسری عقلِ معاد یعنی آخرت کی عقل۔ یہ صرف جن اور انسان کو عطا ہوئی۔ تو انسانیت یہ ہے کہ آخرت کے معاملات میں عقل سے کام لے اگر اس نے اس عقل سے کام نہ لیا اور صرف دنیا کمانے میں عقل سے کام لیا تو انسان اور جانور میں کیا فرق ہوا۔

(۲۲۰) فرمایا جو کافر بھی جہنم میں جائے گا۔ یہ عقیدہ لے کر جائیگا کہ میرے ساتھ عدل ہوا ہے۔ اس لئے کہ جرم کی حقیقت ہے "حاکم کی مخالفت" اور جس درجے کا حاکم ہوگا۔ مخالفت کرنے میں اس کے درجے کے مطابق جُرم ہوگا۔

مثلاً چپڑاسی کی نافرمانی بھی جُرم ہے اور بادشاہ کی بغاوت بھی جرم ہے، مگر ظاہر ہے کہ بادشاہ کی بغاوت کی سزا پھانسی ہے اور چپڑاسی کی بغاوت پر کچھ جرمانہ ادا کر کے چھوٹ جائے گا۔ اسی طرح سمجھئے کہ کفّار کو جہنم کے داخلہ کے وقت حق تعالیٰ کی عظمت منکشف ہوگی۔ تو اس عظمت پر نظر کر کے کافر کہے گا کہ ایسی غیر محدود عظمت والے کی بغاوت کی سزا غیر محدود ہی ہونی چاہیئے۔

(۲۲۱) فرمایا مسلمان کا مسلّمہ عقیدہ ہے کہ بقائے اسلام تمام چیزوں پر مقدم ہے یہاں تک کہ بقائے سلطنت سے بھی مقدم ہے۔ دیکھئے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے

اہلِ مکہ نے عقبہ کے ذریعے یہ بھی کہا تھا کہ ہم تمام عرب کی سلطنت پیش کرتے ہیں آپ اسلام چھوڑ دیں۔ لیکن حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ٹھکرا دیا۔ اس سے معلوم ہوا کہ اسلام کا بقار سلطنت سے بھی مقدم ہے اور بقائے اسلام کا مدار اسلامی تعلیم پر موقوف ہے۔ لہٰذا دین کی تعلیم سلطنت سے بھی افضل ہے۔ دُوسرے اس لئے بھی کہ یہ انبیاءؑ کی میراث ہے۔

(۲۲۲) فرمایا احکامِ الٰہی امانت ہیں اُن کو ادا کرنا دیانت ہے اور اُن کا ترک کرنا خیانت ہے۔

(۲۲۳) فرمایا اسلام میں ہتھیار بنانے کی غرض قتلِ کفار نہیں بلکہ تُرْهِبُوْنَ بِهٖ عَدُوَّ اللّٰهِ وَعَدُوَّكُمْ یعنی کفار پر مسلمان کا رُعب جما رہے۔ اس لئے کہ کفار مادی سامان سے ڈرتے ہیں۔ اس ضمن میں یہ بھی فرمایا کہ اللہ تعالیٰ مُومنین کے محبوب ہیں اور کفار اللہ تعالیٰ کے دشمن ہیں۔ تو جو محبوب کا دشمن ہوگا۔ وہ تمہارا بھی دُشمن ہے۔

(۲۲۴) فرمایا اللہ تعالیٰ کے احسانات کے یاد کرنے سے محبتِ الٰہی پیدا ہوتی ہے۔

(۲۲۵) فرمایا اس زمانے میں ہر شخص کے لئے علمِ دین کا پڑھنا فرض ہے اس لئے کہ ہر مسلمان کو اپنے ایمان کی حفاظت ضروری ہے اور وہ بغیر علمِ دین کے ہو نہیں سکتی اور لوگوں میں اتباع کا مادہ اب رہا نہیں اس لئے ہر ایک کے لیے کافی علم حاصل کرنا تقریبًا فرض عین ہے۔ عجب نہیں کہ اس زمانے میں تبحر فی العلوم

فرضِ عین ہو۔ ایک دوسری چیز بھی گویا فرضِ عین ہے یعنی صحبت اہل اللہ کی اس لئے تبحر فی العلوم اور صحبت اہل اللہ کی آج کل ایک درجے میں فرضِ عین ہے، کہ دین کی حفاظت انہی دو چیزوں پر موقوف ہے۔

ایک مرتبہ حدیث "اَنْتُمْ اَعْلَمُ بِاُمُوْرِ دُنْیَاکُمْ" (تم اپنے دنیا کے امور کو زیادہ جاننے والے ہو) کے ذیل میں مسئلہ تابیر کی اس طرح تشریح فرمائی کہ کھجور کے درختوں میں ایک نر ہوتا ہے۔ ایک مادہ۔ نر میں صرف پھول آتا ہے پھل نہیں آتا اور مادہ پر پھول بھی آتا ہے اور پھل بھی۔ نر کے پھولوں کو لے کر مادہ کے نیچے کھڑے ہو کر اچھالا جاتا ہے۔ وہ ٹہنیوں کو مس کرتے ہوئے نیچے گر جاتے ہیں۔ بس اس سے کھجور کے مادہ درخت کو گویا حمل رہ جاتا ہے۔ اس کا پھر یہ اثر ہوتا ہے کہ پھل بہت زیادہ آتا ہے اس کو تابیر کہتے ہیں۔

تو فنِ باغبانی کا یہ گویا ایک مسئلہ ہے جس کو اہلِ مدینہ سب جانتے تھے، اور وہ ہر سال اسی کے مطابق عمل کرتے تھے لیکن جب حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ طیبہ تشریف لائے تو اس عمل کو دیکھ کر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو شبہ ہوا، کہ کہیں یہ عمل شگون کے طور پر تو نہیں کیا جاتا۔ اس لئے آپ نے حضرات صحابہ رضی اللہ عنہم کو بہت ہی ہلکے لفظوں میں یہ فرمایا اگر ایسا نہ کرو تو اچھا ہے۔

اس کے بعد جب فصل آئی تو انہوں نے اس معمول کو ترک کر دیا۔ لیکن اس کا یہ اثر ہوا کہ اس سال پھل بہت کم آیا۔ جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو اس کی

اطلاع ہوئی تو آپ نے اس عمل کی اجازت فرما دی۔ اور فرمایا "اَنْتُمْ اَعْلَمُ بِاُمُوْرِ دُنْیَاکُمْ" یعنی یہ محض تجربہ کی بات تھی۔ احکام سے اس کا کچھ تعلق نہیں، اس کو تم زیادہ جانتے ہو۔ باقی احکام خواہ وہ دُنیا ہی کے متعلق ہوں۔ اس میں اُن اہلِ تجربہ کو بھی اتباع لازم ہوگا۔

(۲۲۶) فرمایا مولانا نُور احمد صاحب امرتسریؒ نے ایک بار فرمایا کہ امرتسر میں چھ سو مساجد ہیں۔ میں نے امرتسر کی ان تمام مساجد میں نماز پڑھی ہے۔ اس نیت سے تاکہ ان میں سے کوئی تو میری شہادت دے کہ اس نے نماز پڑھی ہے۔

(۲۲۷) فرمایا جو نعمت کفر و عناد یا نافرمانی کا ذریعہ بنے وہ نعمت ہی عذاب ہے۔ تمام دُنیا کی بھی اگر سلطنت حاصل ہو تو وہ بھی عذاب ہے۔ اِسی طرح جو تکلیف توجّہ الی اللہ کا ذریعہ بنے وہ نعمت ہے۔ غرض اصل چیز اللہ تعالےٰ کی فرمانبرداری ہے۔ وہ اگر نعمت کی حالت میں میسر ہو تو وہ نعمت قابل قدر ہے اور اگر تنگی کی حالت میں ہو تو وہ تنگی بھی قابل مبارکباد ہے۔ غرض کبھی اللہ تعالیٰ کا لطف ہوتا ہے بشکلِ قہر اور کبھی قہر ہوتا ہے بشکلِ لطف۔ اسی کو مولانا رومؒ فرماتے ہیں ؎

عــہ از شراب قہر چوں مستی دہی	نیستہا را صورتِ ہستی دہی
آبِ خوش را صورتِ آتش مدہ	اندر آتش صورتِ آبی منہ

عــہ (اے اللہ) تو کسی کو اپنے قہر کی شراب پلا کر مست بنا دیتا ہے تو اس کو فنا ہونیوالی چیزیں ابدی اور باقی نظر آنے لگتی ہیں (اس لئے درخواست کرتے ہیں کہ ہمارے ساتھ ایسا معاملہ نہ فرمایئے کہ) آبِ حیات (یعنی دین)، تو ہمیں آگ دکھائی دینے لگے اور آگ (دنیا) کو ہم آبِ حیات سمجھنے لگیں۔

(۲۲۸) فرمایا کہ حکیم الامت تھانویؒ فرماتے تھے کہ جو مرید اپنے پیر میں کشف و کرامات ڈھونڈتا ہے، وہ احمق ہے۔ اس کو تو یہ دیکھنا چاہیئے کہ مُرید ہونے کے بعد اس کے خیالات میں تبدیلی ہوئی ہے یا نہیں؟ اگر ہوئی ہے تو یہی اس کے پیر کی کرامت ہے۔ تمہیں پیر کی کرامت سے کیا غرض؟ تم کو تو اپنا فائدہ دیکھنا چاہیئے کہ تمہیں پیر سے فائدہ ہو رہا ہے یا نہیں؟

(۲۲۹) فرمایا کہ ساری کوشش اللہ میاں کو راضی کرنے کی ہونی چاہیئے اگر وہ راضی ہو گئے تو سب کام بن جائے گا۔ اصل چیز تو یہی ہے۔

(۲۳۰) فرمایا کہ ایک مولوی صاحب کبر کے مرض میں مبتلا تھے، حضرت مولانا تھانویؒ نے ان کو مسجد میں نمازیوں کی جُوتیاں سیدھی کرنے کا حکم دیا۔ اس پر مولوی صاحب نے کہا کہ اس کام کو میرے شاگرد کر لیں گے، حضرت نے فرمایا کہ نہیں! آپ کو خود ہی کرنا ہوگا، پھر وہ صرف مغرب، عشاء، اور فجر کی نمازوں کے وقت یہ خدمت انجام دینے لگے۔ حضرت (تھانویؒ) نے فرمایا کہ ظہر اور عصر کے وقت بھی یہ خِدمت کرنی ہوگی۔ مولوی صاحب جب اس کام کے عادی ہو گئے، تو اُن کو خیال ہوا کہ اب وہ پُورے طور پر متواضع ہو گئے، حضرت (تھانویؒ) نے فرمایا کہ یہ خیال کرنا کہ ہم متواضع ہیں، یہ بھی کبر ہے کیونکہ اپنے کو کسی بات میں کمال پر پہنچا ہوا سمجھنا بھی کبر ہے۔ پھر مولوی صاحب کو جوتیوں کی خِدمت سے روک دیا اور فرمایا کہ اب مسجد میں بیٹھ کر اللہ اللہ کرو۔

اس پر حضرت مفتی صاحبؒ نے فرمایا کہ حضرت (تھانویؒ) محقق تھے۔ اور ان کی نگاہ دُور رس تھی۔ ورنہ اس طرح بات کو سمجھنا اور اصلاح کرنا ہر شخص کے بس کی بات نہیں۔

(۲۲۱) پٹنہ کے مولوی انیس الحق صاحب نے دریافت کیا کہ حضرت تھانویؒ جب مکہ معظمہ سے تشریف لانے لگے تو حاجی امداد اللہ صاحبؒ مہاجر مکی نے فرمایا کہ میری کتب اپنے ساتھ لیتے جانا۔ اس پر حضرت تھانویؒ نے فرمایا کہ "حضرت کتابوں میں کیا رکھا ہے سینہ کے اندر جو دولت ہے وہ عطا فرمایئے" تو وہ کیا چیز تھی؟ جس کو حضرت تھانویؒ نے طلب کیا تھا۔ اس پر حضرت مفتی صاحبؒ نے فرمایا "وہ تعلق مع اللہ ہے" جس کو "نسبت" کہتے ہیں۔

(۲۳۲) فرمایا میرے دورانِ قیام تھانہ بھون میں ایک صاحب نے کہا کہ میں نے نقشبندیہ سلسلہ میں سلوک طے کیا ہے۔ یہ بات مجھے عجیب سی معلوم ہوئی کیونکہ سلوک طے کرنے کا کوئی نصاب تو ہے نہیں کہ نقشبندیہ کا نصاب یہ ہے اور چشتیہ کا یہ۔ چونکہ اُن سے پہلی ملاقات تھی اس لئے مزید گفتگو مناسب معلوم نہ ہوئی اور بات ختم ہو گئی۔
حضرت تھانویؒ کی خدمت میں جب حاضری ہوئی۔ تو میں نے عرض کیا کہ نقشبندیہ سلسلہ میں سلوک طے کرنے کا کیا مطلب ہے؟ حضرت حکیم الامت تھانویؒ نے فرمایا کہ انسان کے اندر اچھے خصائل بھی ہیں اور بُرے بھی، اور حکم ہے کہ اچھے خصائل اختیار کرو اور بُرے خصائل سے بچو۔ اچھے خصائل کے حاصل کرنے کا طریقہ یہ ہے کہ اُن پر اس قدر عمل کرو کہ کرتے کرتے اس کے عادی ہو جاؤ۔ مثلاً صبر کی جگہ صبر اور شکر کی

جگہ شکر، غرض ہر موقع پر اچھے خصائل پر عمل ہونے لگے اور اس کی اتنی مشق ہو کہ طبیعت میں رچ جائے اور فطرتِ ثانیہ بن جائے۔ اب رہے بُرے خصائل یعنی اخلاق ذمیمہ تو ان سے بچے۔ کیونکہ ان پر عمل نہ کرنے کی سخت تاکید ہے، دل میں بُرے خصائل کا تقاضا ہو تو ہو۔ مگر ان پر عمل ہرگز نہ کرے۔ عمل نہ کرنا گو ادنیٰ درجہ ہے۔ مگر نجات کے لئے کافی ہے۔ کمال کا درجہ تو یہی ہے کہ بُرے خصائل پر نہ صرف یہ کہ عمل نہ کرے بلکہ اُن کے خلاف عمل کرے اور بجبر اپنے کو اس کا عادی بنائے۔ جیسے کسی کی اچھی حالت کو دیکھ کر یا کسی کے جاہ و منصب کی خبر سُن کر دل میں حسد کی آگ بھڑک اُٹھے تو اس صورت میں اگر صرف یہ کرے کہ حسد کے مقتضا پر عمل نہ کرے تو یہ نجات کے لئے تو کافی ہے مگر کمال کا درجہ حاصل کرنے کے لئے قدم آگے بڑھانا ہوگا۔ مثلاً جس شخص سے حسد کیا جا رہا ہے اس کے متعلق دل میں تقاضا تو ہو رہا ہے کہ اس کا جاہ و منصب، مال و دولت وغیرہ چھن جائے اور وہ مفلس، قلاش اور ذلیل ہو جائے مگر بجبر ان جذبات کے خلاف کرنا ہوگا یعنی اُس شخص کے جاہ و منصب اور دولت و ثروت کے برقرار رہنے کی دُعا اور تدابیر کرنی ہوں گی اور اگر اس شخص میں کوئی عیب ایسا ہے جس کے ظاہر کر دینے سے اس کی ذلت و رسوائی ہو گی اور اس کا جاہ و منصب بھی چھن جائے گا اور اس عیب کو ظاہر کرنے پر قدرت بھی ہے تو اس عیب کو نہ ظاہر کرنا ہوگا۔ بلکہ اچھی طرح چھپانا ہوگا بس یہی مطلب ہے سلوک طے کرنے کا۔

(۱۲۳) فرمایا کہ حضرت والا (تھانویؒ) کسی سے یہ نہیں پوچھتے تھے کہ تم وظیفہ پڑھتے

ہو یا نہیں، اگر پڑھتے ہو تو کیا پڑھتے ہو؟ تلاوت کرتے ہو یا نہیں؟ اگر کرتے ہو تو کس قدر؟ ایک پارہ یا آدھ پارہ؟ مگر یہ ضرور پوچھتے تھے کہ تم نے کسی کو تکلیف تو نہیں دی؟ کسی کا حق تو نہیں مارا؟ فرمایا کرتے کہ ہم انسان بنانا چاہتے ہیں اور انسان وہی ہے جس کی ذات سے کسی کو تکلیف نہ پہنچے اگر یہ نہیں ہے تو پھر وہ حیوان بشکل انسان ہے پھر حضرت مفتی صاحبؒ فرمانے لگے کہ حضرت والا تھانویؒ بھی عجیب وغریب تھے۔ اُس وقت حضرت مفتی صاحبؒ کے چہرے پر ایک خاص کیفیت تھی،

(۲۳۴) پٹنہ کے صاحبِ موصوف نے حضرت مفتی صاحبؒ سے "حصولِ محبت" کا طریقہ دریافت کیا۔ جواب میں فرمایا کہ حصولِ محبت کا یہ طریقہ ہے کہ ہر نیک عمل میں یہ نیت کرے کہ اس سے حق تعالیٰ کی محبت پیدا ہو گی۔ نیز کچھ وقت ذکر اللہ بھی کرے اگر صحبتِ نیک میسّر ہو تو بہتر، ورنہ حضرت تھانویؒ کے ملفوظات دیکھے۔

(۲۳۵) فرمایا ذات کی طرف توجہ کرنے کے وقت صفات کی طرف بھی توجہ ہو گی لیکن مطمحِ نظر صرف ذات ہو نہ کہ صفات۔ جیسے نقطہ کو دیکھنے کے وقت اس کا ماحول بھی نظر میں ہو گا۔ مگر مطمحِ نظر نہ ہو گا۔ باقی اس سے زیادہ کاوش نہ کرنی چاہیئے اور جس طرح کی بھی توجہ عطا ہو۔ دولت ہے۔ شکر کرو تاکہ اس میں ترقی ہو۔

(۲۳۶) ایک دفعہ امرتسر میں ایک مولانا صاحب وعظ کے لئے تشریف لائے حضرت مفتی صاحبؒ دیر تک اُن سے گفتگو فرماتے رہے۔ پھر گھر تشریف لے گئے۔ گئے اور لوگوں سے فرمایا کہ مولانا کو اکیلے چھوڑ دو کہ کچھ دیر خلوت میں رہیں اور یہ مثال

بیان فرمائی کہ جب کنویں سے مسلسل پانی نکلتا رہے تو پانی کم ہوجاتا ہے اس وقت کنویں سے پانی نکالنا تھوڑے عرصہ کے لئے چھوڑ دیا جاتا ہے۔ تاکہ نیا پانی جمع ہوجائے۔ اگر ایسا نہ کیا جائے تو پینے والوں کو صاف پانی میسّر نہیں آسکتا جیسا کہ حضرت مولانا روم رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا ہے ؎

سخت خاک آلودہ می آید سخن   آب تیرہ شد سرِ چہ بند کُن
تا خدایش باز صاف و خوش کند   اوکہ تیرہ کرد ہم صافش کند

یعنی جس طرح کنویں سے پانی نکالتے نکالتے گدلا آنے لگتا ہے۔ اسی طرح اب کلام بہت خاک آلودہ نکلنے لگا اور پانی بالکل میلا ہوگیا ہے۔ اب کنویں کا منہ بند کردو تاکہ حق تعالیٰ اس کو صاف اور خوش رنگ و خوش مزہ کردیں۔ وہی خالق ہیں تیرگی کے، اور وہی صاف کردیں گے۔

"چاہ" سے مراد اس جگہ "قلب" اور "آب" سے مراد کلام یعنی قلب سے بہت مضامین نکلے، اب خواہ اپنے انقباض سے یا سامع کے انقباض سے قلب میں وہ نشاط نہ رہا جو موجبِ صفائے سخن ہے اس لئے سکوت مناسب ہے۔ اسی طرح جو حضرات افادہ و افاضۂ خلق میں مشغول ہیں۔ اُن کو ہر وقت تعلیم و تلقین اور وعظ و نصیحت ہی میں نہ رہنا چاہیئے۔ بلکہ کچھ وقت خلوت کے لئے بھی نکالنا چاہیئے۔ تاکہ اس میں ذکر و فکر میں مصروف ہوں۔ جس سے حق تعالےٰ کے ساتھ ارتباط مستحکم رہے اور فیضان ہوتا رہے

(۲۳۷) فرمایا کہ حضرت عبداللہ تستریؒ نے ابلیس سے ملاقات کی دعا کی

چنانچہ ان کی ملاقات ہوگئی تو ابلیس نے اُن سے کہا کہ ”آپ مجھ پر لعنت تو بہت کرتے ہیں۔ مگر حق تعالیٰ فرماتے ہیں :۔

وَرَحْمَتِیْ وَسِعَتْ کُلَّ شَیْءٍ ۔ اور میری رحمت ہر شے کو محیط ہے

اور میں بھی ”شے“ میں داخل ہوں۔ لہٰذا خدا تعالیٰ کی رحمت مجھ پر بھی ہوگی۔

حضرت عبداللہ تستریؒ فرماتے ہیں کہ میں نے اس کا جواب دیا کہ ”تیرا یہ استدلال غلط ہے اس لئے کہ اس کے بعد ہی ارشاد ہے جس میں قید ہے کہ وہ رحمت صرف متقین کے ساتھ خاص ہے :۔

فَسَاَکْتُبُہَا لِلَّذِیْنَ یَتَّقُوْنَ ۔ میں اپنی رحمت کو متقین کیساتھ خاص کرونگا۔

اس نے کہا کہ ”اللہ تعالیٰ کی صفات قیود سے پاک ہیں۔ یہ قیدیں تو آپ کی صفت ہے نہ کہ خدا کی “۔

اس پر حضرت عبداللہ تستریؒ خاموش ہوگئے اور وصیت فرمائی کہ کوئی شخص ابلیس سے ملاقات کی ہرگز تمنا نہ کرے۔

اس پر حضرت (تھانویؒ) نے فرمایا کہ وصیت تو میں بھی یہی کرتا ہوں کہ ابلیس سے ملاقات کی تمنا اور خواہش نہ کرنی چاہیئے۔ مگر جہاں تک ابلیس کی اس بات کے جواب کا تعلق ہے سو وہ حضرت عبداللہ تستری رحمۃ اللہ علیہ کی تو بڑی شان ہے۔ ہم بھی جو اُن کے خدّام میں سے ہیں، دے سکتے ہیں اور بحمد اللہ اس کا جواب موجود ہے۔ حضرت عبداللہ تستریؒ جو اس وقت اس کو جواب نہ دے سکے تو اغلب یہ ہے کہ اس نے ان کے ذہن میں بطریق مسمریزم کے ایسا تصرف

کیا کہ وہ اُس وقت جواب نہ دے سکے۔ کیونکہ شیطان تو بڑا صاحبِ تصرف ہے۔
جواب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی رحمت کا ایک منبع ہے، اور ایک مورد ہے
سو منبع میں تو قید نہیں، مورد میں ہے۔ یعنی جہاں سے اللہ کی رحمت آتی ہے اُس میں تو قید نہیں اور جہاں آکر گرتی ہے اُس میں قید ہے کہ جو شخص اس کو حاصل کرے اس کو پہنچتی ہے اور جو نہ کرے اس کو نہیں پہنچتی۔ جیسے ایک مکان میں سو آدمیوں کی گنجائش ہو، مگر اُس میں صرف پچاس آدمی داخل ہوں تو اُس مکان کی وسعت کا کیا قصور ہے؟ آنے والوں کا قصور ہے۔ اسی طرح شیطان اور اس سے بڑھ کر متمرّد نافرمان اور سرکش بھی اگر حق تعالیٰ کی رحمت میں آنا چاہیں تو ان کے لئے ہر وقت گنجائش ہے۔ مگر وہ خود ہی نہ آئیں تو ان کی بدنصیبی ہے۔

أَنُلْزِمُكُمُوهَا وَأَنتُمْ لَهَا كَارِهُونَ۔ — کیا ہم تم پر چپکاتے پھریں، حالانکہ تم نہ چاہو،

یا مثلاً بارش برس رہی ہو۔ تو جو شخص اپنا برتن سیدھا کر کے بارش میں رکھے گا، اس کا برتن بھرے گا۔ اور جو شخص اپنا برتن الٹا کر کے رکھے گا۔ اُس کا برتن نہ بھرے گا۔ تو اس میں بارش کا کیا قصور؟

(۲۳۸) حضرت مفتی صاحبؒ اپنے درسِ قرآن اور وعظوں میں حضرت خواجہ عزیز الحسن صاحب مجذوبؒ کے اشعار کثرت سے پڑھا کرتے تھے، مثلاً ؎

کھولیں وہ یا نہ کھولیں در اس پہ ہو کیوں تری نظر — تو تو بس اپنا کام کر یعنی صدا لگائے جا

ہے شوق ضبطِ شوق میں دن رات کشمکش   دل مجھ کو مَیں ہوں دِل کو پریشاں کئے ہوئے

ایک دِن جامعہ اشرفیہ لاہور میں صبح حضرت مفتی صاحبؒ حضرت خواجہ صاحبؒ کا ایک مصرعہ پڑھتے ہوئے تشریف لائے اور مسندِ درس پر تشریف فرمانے کے بعد بھی دیر تک اس مصرعہ کی تکرار فرماتے رہے جس کی وجہ سے ایک عجیب سوز وگداز اور کیف وسرور کا سماں تھا ساری ہی مجلس پر مستی چھاگئی، کافی دیر کے بعد دُوسرا مصرعہ پڑھا اور پورے شعر کے متعلق مختصراً تشریح فرمائی۔ وہ مصرعہ یہ تھا:۔ ع

بے ترے دِل کیا ہے بس اک خول ہے

بہت دیر کے بعد اس کا دوسرا مصرعہ ارشاد فرمایا:۔ ع

جلد آ یہ ناؤ ڈانواں ڈول ہے

سبحان اللہ عجیب وغریب مضمون ہے ؎

بے ترے دِل کیا ہے بس اک خول ہے   جلد آ یہ ناؤ ڈانواں ڈول ہے

اپنی مجالس میں حضرت خواجہ صاحب کا ذِکر بھی کثرت سے بہت محبت اور تعلق کے ساتھ فرمایا کرتے جو درحقیقت مصداق ہے اِن اشعار کا۔ ؎

بازگو از نجد واز یاران نجد   تا در و دیوار را آری بوجد

واجب آمد چونکہ آمد نام او   شرح کردن رمزے از انعام او

کز برائے حق صحبت سالہا   بازگو رمزے ازاں خوش حالہا

لَا تُكَلِّفْنِي فَإِنِّي فِي الْفَنَا   كَلَّتْ اِفْهَامِي فَلَا اُحْصِي ثَنَا

یعنی "نجد" اور "یارانِ نجد" کا ذِکر دہراؤ کہ جس سے در و دیوار کو وجد آ جائے
جب اس کا نام زبان پر آگیا تو اس کے انعامات کا کچھ ذکر کرنا ضروری ہوگیا۔ سالہا
سال کے حقِ صحبت کی وجہ سے اُن کا کچھ حال پھر بیان کرو (مگر حالت یہ ہے کہ
میں یہ کام کماحقہٗ سرانجام نہیں دے سکتا۔ اس لئے) تم مجھ کو اس کام کے لئے
مجبور نہ کرو کیونکہ بے خودی کی حالت میں بوجہ پریشانئ فراق کے میری سمجھ کُند ہوگئی ہے

(۲۳۹) اسی طرح ایک مرتبہ فرمایا کہ تھانہ بھون میں، خانقاہ شریف میں
جس حجرے میں میرا قیام تھا۔ وہاں ایک روز خواجہ صاحب تشریف لائے اور
دروازے کی چوکھٹ میں اس طرح کھڑے ہو گئے کہ دونوں باہیں پھیلا کر دونوں
طرف ہاتھ رکھ لئے۔ میں نے کہا کہ خواجہ صاحبؒ! یہ شعر تو آپ نے گویا میرے
لئے کہا ہے کہ ؎

میں بدی میں آپ ہوں اپنی مثال بدعمل، بدنفس، بدخو، بدخصال

فرمایا کہ کہا تو میں نے اپنے ہی لئے ہے۔ یوں کوئی اپنے اوپر چسپاں کرتا
پھرے تو اور بات ہے۔

(۲۴۰) وعظ میں کثرت سے "مراقبۂ موت" (حضرت خواجہ صاحبؒ)
کے اشعار اور بند پڑھا کرتے تھے مثلاً ؎

دارِ دنیا کی سجاوٹ پر نہ جا نیکیوں سے اپنا اصلی گھر سجا
پھر وہاں بس چین کی بنسی بجا اِنَّهٗ قَدْ فَازَ فَوْزًا مَّنْ نَّجَا

ایک دن مرنا ہے آخر موت ہے
کرلے جو کرنا ہے آخر موت ہے

حبِ دنیا کا تو ہو پروانہ تو ، اور کرے عقبیٰ کی کچھ پروا، نہ تو
اس پہ بنتا ہے بڑا فرزانہ تو کس قدر ہے عقل سے بیگانہ تو

ایک دن مرنا ہے آخر موت ہے
کرلے جو کرنا ہے آخر موت ہے

ہو رہی ہے عمر مثلِ برف، کم چپکے چپکے، رفتہ رفتہ، دم بدم
سانس ہے اک رہ روِ ملکِ عدم دفعتہً اک روز یہ جائیگا تھم

ایک دن مرنا ہے آخر موت ہے
کرلے جو کرنا ہے آخر موت ہے

گرتا ہے دنیا پہ تو پروانہ وار گو تجھے جلنا پڑے انجامِ کار
اس پہ دعویٰ ہے کہ ہم ہیں ہوشیار کیا یہی ہے ہوشیاروں کا شعار

ایک دن مرنا ہے آخر موت ہے
کرلے جو کرنا ہے آخر موت ہے

اور مندرجہ ذیل بند کو تو بہت ہی کثرت سے نقل فرماتے تھے اور فرمایا کرتے تھے کہ اس کا تیسرا مصرعہ تو تعویذ بنا کر گلے میں لٹکانے کے قابل ہے ؎

بہرِ غفلت یہ تری ہستی نہیں دیکھ جنت اس قدر سستی نہیں

رہ گزر دنیا ہے، یہ بستی نہیں　　　جائے عیش و عشرت و مستی نہیں

ایک دن مرنا ہے آخر موت ہے

کرے جو کرنا ہے آخر موت ہے

(۲۴۱) ایک دفعہ خواجہ صاحبؒ کے تذکرے میں فرمایا کہ جب امرتسر تشریف لائے اور بیمار ہو گئے تو عبیداللہ سے فرمایا کہ "اصل لطف تو اللہ کے تعلق اور اس کی یاد میں اور دین میں ہے۔ میں اگرچہ نہ عالم ہوں نہ کچھ، مگر پھر بھی لوگ میری اس قدر رعایت محض اس لئے کرتے ہیں کہ ان کو شبہ ہے کہ میں دیندار ہوں"

(۲۴۲) انہی کے تذکرے میں ایک دفعہ فرمایا کہ خواجہ صاحبؒ فرماتے تھے کہ ایک دفعہ رمضان شریف کا مہینہ تھا اور اربابِ حکومت کی طرف سے ایک ضروری میٹنگ خاص روزہ افطار نے کے وقت رکھ لی گئی کیونکہ ڈائریکٹر ہندو تھا، اور تھا بھی متعصب قسم کا۔ اس میٹنگ میں میرا جانا بھی ضروری تھا۔ بڑی کشش و پیچ اور پریشانی میں تھا کہ یا اللہ کیا کروں؟ ایک طرف تو خیال کہ اگر میٹنگ میں جاتا ہوں تو نماز مغرب جماعت سے ادا نہ ہو سکے گی۔ دوسری طرف یہ کہ وہاں جانا بھی ضروری تھا بتقاضائے تقدیر، یہ فیصلہ کر لیا کہ روزہ افطار کر کے اور نماز پڑھ کے ہی جاؤں گا، ملازمت رہے یا جائے۔ چنانچہ ایسا ہی کیا اور جاتے ہوئے سارے راستے طبیعت پریشان رہی۔ وہاں پہنچا تو ایک ممبر کھڑے ہوئے تقریر

کر رہے تھے۔ اور وہ ہندو ڈائریکٹر جو صدر تھا۔ وہ بھی اپنی کرسی پر موجود تھا۔ مجھے آتا دیکھ کر بے ساختہ کھڑا ہو گیا جس کی وجہ سے سب کو کھڑا ہونا پڑا۔ اور مقرر کو اپنی تقریر منقطع کرنی پڑی۔ ڈائریکٹر نے مجھ سے کہا کہ آپ کے آنے سے پہلے فلاں صاحب نے یہ باتیں کہیں (اسے مختصراً دہرایا) اور اب یہ صاحب یہ باتیں فرما چکے ہیں، یہ کہہ کر اُن مقرر صاحب کو اشارہ کیا کہ آپ فرمایئے۔ اس واقعہ کو نقل فرما کر حضرت مفتی صاحب فرمایا کرتے تھے کہ یہ سب کچھ دین کی برکت ہے ؎

ہر کہ ترسید از حق و تقویٰ گزید ترسد از وے جن و انس و ہر کہ دید

(۲۴۳) ایک اور واقعہ نقل فرمایا کہ خواجہ صاحبؒ فرماتے تھے کہ میں لکھنؤ میں تھا وہاں کوئی انگریز آیا جو "دوڑنے" کا ماہر تھا اور اس نے وہاں پہ چیلنج کیا کہ میرے مقابلے میں کوئی دوڑ لگائے۔ مگر کسی کی ہمت نہ ہوئی۔ مجھے غیرت آئی کہ اس غیر مسلم کے مقابلہ میں کوئی نہیں آتا۔ میں نے اس کا مقابلہ کرنے کا ارادہ کر لیا اور دوڑا۔ مجھے اللہ تعالےٰ نے آگے نکال دیا۔

غرض یہ کہ حضرت مفتی صاحبؒ اپنے پیر بھائیوں کا تذکرہ بڑی ہی محبت اور تعلق کے ساتھ فرماتے اور جب ان حضرات میں سے کوئی آجاتا تو گویا اس کے سامنے بچھ جاتے اور حضرت مفتی صاحبؒ کے اس والہانہ تعلق ہی کی وجہ سے یہ سب حضرات بھی بہت ہی ادب و احترام فرماتے۔ ان

حضرات کی موجودگی میں مجلس کا عجیب رنگ ہوتا جو بیان سے باہر ہے ۔ اس کے علاوہ اپنے ہم عصر علماء سے بھی اس طرح ملتے تھے کہ جیسے اپنے بڑوں سے اور بزرگوں سے اور حضرت تھانوی قدس اللہ سرہٗ کے خاندان کے لوگوں کے تو گویا عاشق تھے ۔

(۲۴۴) غرض ذکر حضرت خواجہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ کا تھا ۔ فرمایا کہ خواجہ صاحبؒ نے امرتسر سے وطن پہنچ کر پیڑے بطور تحفہ بھیجے اور یہ شعر لکھا ؎

چند پیڑے ہیں تکلف برطرف گر قبول افتدز ہے عز و شرف

فرماتے تھے کہ حضرت خواجہ صاحبؒ کا مقام بہت بلند تھا ۔ انہوں نے فرمایا ؎

جلا کردۂ دستِ دل دار ہوں میں مجھے دیکھ آئینہ یار ہوں میں
سنوارا ہے کس درجہ بگڑے ہوئے کو یہ دل تھا یا اب پُر انوار ہوں میں

اِسی سلسلے میں فرمایا کہ حضرتؒ (تھانوی) نے خواجہ صاحب سے فرمایا کہ خواجہ صاحب ! اگر میرے پاس ایک لاکھ روپیہ ہوتا تو میں آپ کو آپ کے اِس شعر کے عوض دے دیتا ؎

ہر تمنا دل سے رخصت ہو گئی اب تو آجا اب تو خلوت ہو گئی

حضرتؒ (تھانوی) چونکہ صاحب حال تھے ۔ ان پر یہ حال گزر رہا تھا اس لئے اُن کو یہ شعر اس قدر پسند تھا کہ فرماتے تھے کہ جب اس شعر کو پڑھتا ہوں تو کم از کم تین مرتبہ تو ضرور پڑھتا ہوں ، اور حضرتؒ (تھانوی) نے یہ بھی فرمایا کہ خواجہ صاحب

کے کلام میں اثر ہے کیونکہ وہ صاحبِ حال ہیں ورنہ صاحبِ قال کے کلام میں یہ اثر نہیں ہو سکتا۔

(۲۴۵) حضرت تھانوی قدس اللہ سرہٗ کے وصال کے بعد حضرت خواجہ صاحبؒ کو جو اپنے شیخ کے عاشقِ صادق تھے جو صدمہ پہنچا اس کو کوئی کیا بیان کر سکتا ہے اور کیا اندازہ لگا سکتا ہے۔ بس جن حضرات نے وہ وقت دیکھا ہے اور اس زمانے میں حضرت خواجہ صاحبؒ کی زیارت کی ہے وہی حضرات کچھ اس کا اندازہ کر سکتے ہیں کہ وہ اس غمِ فرقت سے کیسے بے قرار رہتے تھے اور ہر وقت ہر مجلس اور ہر نشست میں یہی ذکر رہتا تھا۔ ایک دفعہ فرمانے لگے ؎

فنا اُسے کر سکے بھلا یہ اجل کی بھی دسترس کہاں ہے
وہ غیر منفک جو ایک ربطِ خفی مرے ان کے درمیاں ہے
کہاں یہ خوش رنگ تیلیاں اور کہاں وہ بدرنگ خشک تنکے
مگر قفس پھر بھی اُف قفس ہے اور آشیاں پھر بھی آشیاں ہے

اور فرماتے تھے کہ ؎

اِس سہ دریِ اشرفِ فردوس مکاں میں — جب آئے زیارت کو تو باچشمِ تر آئے
جو بزم بھری رہتی تھی مردانِ خدا سے — خالی وہ نظر آئے تو کیوں جی نہ بھر آئے

اور اسی طرح ایک مرتبہ تذکرہ کرتے کرتے فرمایا ؎

ڈھونڈتا ہے دل وہی کیف آفریں ماحول پھر — وہ بہاریں ہیں کہاں؟ جو آہ میخانے میں تھیں

مستیاں ہر سُو برستی تھیں درو دیوار سے   اور وہاں کیفیتیں سَو خُم کی پیمانے میں تھیں

اسی زمانے میں ایک مرتبہ تھانہ بھون میں دوپہر کے وقت حضرت خواجہ صاحبؒ اپنے حجرے میں تشریف فرما تھے اور متوسلین پاس بیٹھے تھے کہ ایک صاحب جو اُسی روز بعد ظہر رخصت ہونے والے تھے، بغرض ملاقات حاضر ہوئے، حضرت خواجہ صاحبؒ نے اُن کو بٹھا لیا، اور اُن سے اپنا کلام سنا۔ اور اِس قطعے کو خود بھی بار بار پڑھتے رہے اور اُن سے بھی پڑھواتے رہے ؎

مجھے دوست چھوڑ دیں سب، کوئی مہرباں نہ پوچھے
مجھے میرا رب ہے کافی، مجھے کُل جہاں نہ پوچھے
شب و روز میں ہوں مجذوبؔ اور یاد اپنے رب کی
مجھے کوئی ہاں نہ پوچھے، مجھے کوئی ہاں نہ پوچھے

تقریباً دو گھنٹے یہ سلسلہ جاری رہا اور عجیب کیف و سرور کی کیفیت تھی اور عجیب منظر تھا۔ اسی مجلس میں فرمایا کہ "بس اب تو یہ جی چاہتا ہے کہ در و دیوار سے بھی لَآ اِلٰہَ اِلاَّ اللّٰہ نکلے" غرض حضرت تھانوی قدس سرہ کے وصال کے بعد اُن پر ایک عجیب کیفیت تھی اور اس وقت اپنے کسی پیر بھائی کو دیکھ لیتے تو بہت خوش ہوتے اور اُن کے ساتھ لگے رہتے۔

اسی سلسلے میں اور اسی بے قراری اور بے چینی کے عالم میں اپنا بارِ غم ہلکا کرنے کے لئے اپنے پیر بھائیوں سے ملاقات کے لئے مختلف سفر فرمائے

انہی میں سے ایک سفر حضرت مفتی صاحبؒ سے ملاقات کے لئے امرتسر کا بھی فرمایا۔ جب اُن کی تشریف آوری کی اطلاع حضرت مفتی صاحبؒ کو ملی تو حضرت نے ازراہِ شفقت اُن کی تشریف آوری کی اطلاع احقر جامع کو بھی دی چنانچہ حضرت کا والا نامہ ملنے پر احقر ایبٹ آباد سے فوراً امرتسر روانہ ہو گیا۔ وہاں پہنچ کر مسجد نور میں حاضر ہوا تو معلوم ہوا کہ حضرت خواجہ صاحبؒ اس وقت شریف پورہ حضرت مفتی صاحبؒ کے دولت خانہ پر ہیں۔ احقر وہاں حاضر ہوا اور زیارت سے مشرف ہوا احقر کو دیکھتے ہی فرمایا کہ "کمزور اور دُبلے نظر آتے ہو"۔ اللہ اللہ ان حضرات کو کیسا تعلق تھا۔ اور کیسی شفقت تھی۔ احقر نے عرض کیا کہ "کچھ دل کی تکلیف ہے"۔ اس پر فوراً یہ مصرعہ پڑھا ؎

"سخت بیماری ہے بیماریِ دل"

حضرت خواجہ صاحبؒ کا قیام مسجد نور کے بالائی حجرے میں کئی روز رہا اور اُن کی وجہ سے وہاں پر آنے والوں کا اور ان کی زیارت کرنے والوں کا بڑا مجمع رہتا تھا اور معلوم ہوتا تھا کہ کوئی تقریب ہے۔ حضرت خواجہ صاحبؒ کی مجلسیں قیامِ امرتسر میں بڑی ہی پُرکیف، پُر اثر اور پُرکشش ہوتی تھیں، لوگ پروانہ وار حاضر ہو کر مستفید ہوتے اور عجیب و غریب حقائق و معارف کا بیان ہوتا۔ اللہ کی رحمتوں کی بارش ہوتی ہوئی آنکھوں سے دکھائی دیتی تھی۔ اور حضرت خواجہ صاحبؒ ہی کے ان اشعار کا مصداق تھا ؎

مجذوب تُو لگائے جو بیٹھا ہے یار سے　　اک شمع بن رہا ہے یہ پروانہ آجکل

اور بقول انہی کے ؎

اب میری زیارت کو چلی آتی ہے دنیا　　آئینہ کسی کا یہ مرا داغِ جبیں ہے

اور حضرت مفتی صاحب قدس سرہ کا تو یہ حال تھا کہ گویا نعمتِ غیر مترقبہ ہاتھ آگئی ہوئی ہے۔ ہر وقت اُن کی راحت رسانی کی فکر، لوگوں کو اُن سے استفادہ کی ترغیب وتحریص اور خود اُن کی معیت میں زیادہ سے زیادہ وقت گزارنے کی فکر۔ غرض عجیب عالم تھا۔ خواجہ صاحبؒ کا سفر امرتسر تک ختم نہ ہوا تھا۔ بلکہ ان کا ارادہ دوسرے مقامات پر بھی تشریف لے جانے اور اپنے پیر بھائیوں سے ملاقات کا تھا چنانچہ احقر سے بھی ایبٹ آباد تشریف لانے کا خیال ظاہر فرمایا۔ مگر افسوس کہ قیامِ امرتسر ہی کے دوران حضرت خواجہ صاحبؒ کی طبیعت ناساز ہوگئی اور کچھ افاقہ کے بعد وطن واپس تشریف لے جانا پڑا۔ اور وہیں کچھ روز کے بعد اپنے خالقِ حقیقی اور اپنے محبوب مرشد سے جا ملے۔

دورانِ علالت حضرت مفتی صاحب قدس سرہٗ اُن کے پاس ہی بیٹھے رہتے تھے اور بے حد متفکر اور پریشان رہتے تھے۔ اُن کو پنکھا بھی خود جھلتے۔ افسوس کہ اب نہ یہ حضرات رہے نہ یہ مجلسیں ؎

آں قدح بشکست و آں ساقی نماند

حضرت خواجہ صاحبؒ فرمایا کرتے تھے کہ ؎

یہ تپش یہ تفتہ جانی پھر کہاں؛ سن لو یہ آتش بیانی پھر کہاں!
پھر کہاں مجذوبؔ کی یہ شورشیں یہ طبیعت کی روانی پھر کہاں؛

اور یوں بھی پڑھا کرتے تھے ؎

بڑے سے اُکتاؤ نہ تم مجذوبؔ کی پھر یہ سن پاؤگے افسانہ کہاں؛
کر رہا ہے فاش رازِ حسن و عشق پھر ملے گا ایسا دیوانہ کہاں؛

اور فرماتے تھے کہ ؎

نقلِ ارشاداتِ مرشد می کنم اُنچہ آدم می کند بوزینہ ہم
اصل کی برکت سے لیکن کیا عجب نقل سے بھی ہو وہی فیضِ اَتم

اور واقعی اِن آنکھوں نے دیکھا ہے کہ اُن کے ارشادات سے قلب کی حالت بدلجاتی تھی۔ توجہ خدا تعالیٰ کی طرف ہوجاتی تھی اور دنیا کی بے ثباتی آنکھوں کے سامنے متمثل ہوکر آجاتی تھی اور کیوں نہ ہو۔ ان ہی کی تو شان تھی ؎

فیضِ یقیں سے قلب ہے محوِ مشاہدہ وسواس اِن دنوں ہیں نہ شبہات آجکل

ڈپٹی کلکٹری چھوڑکر اس سے کم درجہ کی ملازمت انسپکٹر آف اسکولز کو صرف اس لئے اختیار فرمایا کہ ڈپٹی کلکٹری میں شریعت کے خلاف فیصلے کرنے پڑتے ہیں۔

ایک صاحبزادے کو علم دین حاصل کرنے کے لئے سہارنپور بھیجا۔ اُن کو رغبت تھی انگریزی تعلیم سے۔ اس لئے والد ماجد یعنی حضرت خواجہ صاحبؒ کو خط لکھا کہ" میں عربی آپ کے حکم سے پڑھ رہا ہوں ورنہ اس سے مجھے اتنا ہی تو ملے گا جس سے میرا

معمولی خرچ بھی پورا نہیں ہو سکتا" جواب میں تحریر فرمایا کہ جان پدر! تمہارا مقصود حاصل ہو یا نہ ہو، میرا مقصود بہرحال حاصل ہے اور وہ تم کو انگریزی سے محروم رکھنا ہے. کیونکہ اس کی مضرتوں کا مجھے خود اندازہ ہے۔

اللہ اللہ! یہ ہے کسوٹی اور معیار. یہاں انسان پرکھا جاتا ہے کہ جب دین کو مفید سمجھتے ہیں تو اپنی اولاد کو بھی سکھانا چاہیئے. یہ کہاں کی دین پسندی ہے کہ خود تو آخری عمر میں دیندار بن گئے. مگر بچوں کے لئے وہی دنیا کی تعلیم اور دنیا کی تحصیل کی رغبت ۔ اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ۔

حضرت خواجہ صاحبؒ نے اپنے تاثرات اور حضرت شیخ کی تعلیمات کو اپنے اشعار میں خوب خوب بیان فرمایا ہے ؎

اب بھی مجذوبؔ جو محرومِ پذیرائی ہے ۔۔۔ کیا جنوں میں ابھی آمیزشِ دانائی ہے؟
رنگ ریلیوں پہ زمانے کی نہ جانا اے دل ۔۔۔ یہ خزاں ہے جو باندازِ بہار آئی ہے
میں ہوں مجبور جو مطلق نہیں دنیا پہ نظر ۔۔۔ میرا کیا بس ہے، مری دور کی بینائی ہے
قدرِ مجذوب کی خاصانِ خدا سے پوچھو ۔۔۔ شہرتِ عام تو اک قسم کی رسوائی ہے
خلق سے کوئی تعلق نہیں اچھا نہ برا ۔۔۔ یعنی گمنام ہوں شہرت ہے نہ رسوائی ہے

ایک قطعہ میں حضرتِ حق جل شانہ کی معیت کو عجیب انداز میں بیان فرمایا ہے ؎

تم سا کوئی ہمدم کوئی دمساز نہیں ہے ۔۔۔ ہر وقت ہیں باتیں مگر آواز نہیں ہے
ہم تم ہی بس آگاہ ہیں اس ربطِ خفی سے ۔۔۔ معلوم کسی اور کو یہ راز نہیں ہے

(۲۴۶) فرمایا کہ حضرتؒ (تھانویؒ) فرماتے تھے کہ مجھے قطب عالم حضرت مولانا رشید احمد صاحب گنگوہی قدس اللہ اسرارہ ونور اللہ مرقدہٗ کے ساتھ غیر اختیاری اور قلبی تعلق ہے۔ اور حضرت (گنگوہیؒ) کی عظمتِ شان اور جلالتِ قدر بفضلہٖ تعالیٰ طبعی طور پر دل میں ہے۔ اور اسی قلبی وطبعی مناسبت کی وجہ سے میں نے بیعت کے لئے بھی حضرت (گنگوہیؒ) سے درخواست کی تھی۔ مگر حضرت کے قبول نہ فرمانے پر میں نے حضرت قطبِ عالم حاجی امداد اللہ صاحب مہاجر مکی قدس اللہ اسرارہ ونور اللہ مرقدہٗ کی خدمت میں اس مضمون کا عریضہ تحریر کیا کہ جس کا حاصل یہ تھا، کہ آپ حضرت (گنگوہی) سے سفارش فرمادیں۔ مگر اس کے جواب میں حضرت (حاجی صاحبؒ) نے خود بیعت فرمالیا۔

اسی سلسلے میں فرمایا کہ حضرت (تھانویؒ) فرماتے تھے کہ مجھے "توسُّل" کے مسئلہ میں اشکال تھا۔ اُس کو حل کرنے کے لئے حضرت گنگوہی کی خدمت میں گنگوہ حاضر ہوا (یہ وہ زمانہ تھا جب حضرت گنگوہیؒ کی بینائی نہ رہی تھی) سلام کے جواب کے بعد میں نے اس خیال سے کہ حضرت (گنگوہیؒ) نے سلام کی آواز سے مجھے پہچان لیا ہوگا، عرض کیا کہ توسُّل کے مسئلہ میں کچھ پوچھنا ہے۔ فرمایا کہ "کون پوچھتا ہے"؟ میں نے عرض کیا کہ "اشرف علی"۔ فرمایا کہ "تعجب ہے"!۔ بس اتنی ہی گفتگو ہوئی۔ اس کے بعد مجھے بھی کچھ عرض کرنے کی ہمت نہ ہوئی۔ اور واپس تھانہ بھون آگیا۔ مگر اس مسئلے میں ایسا شرح صدر ہوا کہ کوئی اشکال اور گنجلک باقی نہ رہی اور میں نے اس مسئلے میں ایک رسالہ تصنیف

کیا۔ اُس میں مسئلہ توسُّل کو خوب شرح وبسط کے ساتھ بیان کیا ہے۔

اس واقعہ کو بیان فرمانے کے بعد حضرت (تھانویؒ) یہ شعر پڑھا کرتے تھے ؎

ع اے لقائے تو جوابِ ہر سوال ۔ مشکل از تو حل شود بے قیل و قال

اور جب حضرت گنگوہیؒ کا ذکر شروع ہو جاتا تو دیر دیر تک ان کے واقعات اور کمالات بیان فرماتے رہتے اور عجیب شان ہوتی تھی۔ فرماتے تھے کہ ان حضرات کے ذکر میں بھی گرمی ہے۔ چنانچہ اس وقت بھی مجھے پسینہ آرہا ہے۔

اِسی سِلسلے میں ایک اور واقعہ بیان فرمایا کہ ایک شخص حضرت (تھانویؒ) کی خدمت میں حاضر ہوا۔ اور کسی بات پر حضرت نے اس کو ڈانٹا۔ تو اُس نے کہا کہ میں حضرت مولانا گنگوہیؒ، حضرت مولانا محمد قاسم صاحبؒ وغیرہم کی خدمت میں بھی حاضر ہوا۔ اور یہی بات کہی۔ مگر انہوں نے تو مجھے کچھ نہیں کہا فوراً فرمایا کہ میں نے اس لئے کہا کہ تُو یہ نہ کہہ سکے کہ تھانہ بھون بھی گیا تھا۔ اور وہاں بھی اِس بات پر کچھ نہیں کہا۔ یہ فرما کر حضرت (تھانویؒ) نے حاضرین کی طرف مخاطب ہو کر فرمایا کہ "اجی! اِن حضرات کے یہاں تو تھی برکت۔ جس کی وجہ سے لوگوں کی اصلاح ہو جاتی تھی۔ اور یہاں برکت تو ہے نہیں، اگر حرکت بھی نہ ہو تو اصلاح کیسے ہو"۔ سُبحان اللہ! حضرت (تھانویؒ) کی بھی کیا شان تھی، اور کیسے تھے وہ۔

ع یعنی ان حضرات کی یہ شان ہے کہ ان کی ملاقات ہی ہر سوال کا جواب ہے اور ہر مشکل بغیر قیل وقال کے حل ہو جاتی ہے۔

حضرت گنگوہیؒ کی جلالتِ شان کے سلسلے میں فرمایا کہ کج فہم اور کم سمجھ لوگ حضرت گنگوہیؒ کو یوں سمجھتے تھے کہ یہ اپنے شیخ (حضرت حاجی امداد اللہ صاحب قدس سرہٗ) کے طریقہ پر نہیں۔ چنانچہ ایک ایسے ہی صاحب نے حضرت (گنگوہیؒ) سے کہا، کہ حضرت حاجی صاحب تو میلاد میں شرکت فرماتے ہیں اور آپ اس سے منع فرماتے ہیں۔ فرمایا کہ اول تو تم اس کی حقیقت کو نہیں سمجھے اور اگر تمہارا ایسا ہی خیال ہے تو حضرت حاجی صاحب سے ہم نے جو بیعت کی ہے وہ اپنی اصلاحِ باطن و راہِ سلوک طے کرنے کے لئے کی ہے۔ اور جہاں تک ظاہری احکام کا تعلق ہے سو اس میں تو خود حضرت کو بھی ہم سے پوچھ کر عمل کرنا چاہیئے۔ یہ معترض صاحب اس بات سے بہت ناراض ہوئے اور بطور شکایت کے یہ بات حضرت حاجی صاحب سے جا لگائی۔ کہ آپ کے مرید ہو کر آپ کو ایسا کہتے ہیں۔ حضرت حاجی صاحب نے اِن کو ڈانٹا اور فرمایا کہ مولانا رشید احمد صاحب صحیح فرماتے ہیں۔ بیشک ہمیں مسائل میں اُن کا اتباع کرنا چاہیئے۔ تب یہ صاحب اپنا سا منہ لے کر رہ گئے۔

حضرت حاجی صاحب قدس اللہ سرہ فرماتے تھے، کہ حق تعالیٰ اگر پوچھیں گے کہ امداد اللہ! کیا لائے ہو؟ تو میں کہہ دوں گا کہ مولانا رشید احمد اور مولانا محمد قاسم کو لایا ہوں۔ اور حضرت مولانا محمد قاسم صاحب قدس اللہ اسرارہ جو اپنے وقت کے علم و فضل میں یکتائے زمانہ تھے۔ اور باتفاقِ علماء اپنے وقت کے سب سے بڑے عالم و فاضل تھے۔ اُن سے کسی نے پوچھا کہ حضرت! آپ باوجود اس علم و فضل و کمال

کے، حضرت حاجی صاحبؒ سے کیوں بیعت ہوئے؟ تو فرمایا کہ ہم تو اُن کے علم کی وجہ سے اُن سے بیعت ہوئے ہیں۔ اللہ۔ اللہ! کیا ٹھکانا ہے ان حضرات کے کمالات اور علوشان اور بلند درجات کا۔ بقول شیخ سعدیؒ ؎

عہ نہ حُسنش غایتے دارد نہ سعدؔی را سُخن پایاں
بمیرد تشنہ مستسقی و دریا ہمچناں باقی

عہ یعنی نہ اُن کے حُسن و جمال کی کوئی انتہا ہے اور نہ میری تعریف و توصیف کی کوئی حد ہے بس وہی حال ہے کہ جیسے استسقاء کا مریض دریا کے کنارے ہوتے ہوئے بھی پانی پی پی کر پیاسا ہی مرجاتا ہے۔ اور دریا جوں کا توں باقی رہتا ہے۔

مکتوبات

حضرت مفتی صاحب قدس سرہ العزیز کی، جس طرح مجالس سراسر فکرِ آخرت اور تعلق مع اللہ کے مضامین سے لبریز تھیں اور انہی امور کا ذِکر اور چرچا تھا۔ اِسی طرح طالبین کے خطوط کے جوابات بھی اِسی تعلیم و تلقین سے پُر ہیں۔ اس لیئے جی چاہتا ہے کہ حضرت مفتی صاحبؒ کی مجالس کا ایک منظر "ملفوظات" کی صورت میں پیش کرنے کے بعد اُن کے مکتوبات میں سے جو احقر کے پاس محفوظ ہیں، ایک حصّہ ہدیۂ ناظرین کروں، کہ اس سے بھی اُمید ہے کہ ناظرین کرام کو بیحد نفع اور رہنمائی حاصل ہوگی۔

(۱)

جامعہ اشرفیہ لاہور کی جدید تعمیر کے لئے جب لکڑی کی ضرورت پیش آئی تو معلوم ہوا کہ لکڑی بازار میں بہت گراں اور کمیاب ہے اور مدرسہ کے پاس اتنا پیسہ نہیں ہے کہ بازار سے خرید کر لگا سکے۔ اس لئے اس مقصد کیلئے لکڑی مہیا کرنے کے لئے حضرت مفتی صاحبؒ نے احقر کو حکم فرمایا اور احقر بفضلہ تعالیٰ اس کوشش میں کامیاب ہوا۔ اور بحمدہٖ تعالیٰ جامعہ کو اس لکڑی کی فروخت سے تقریباً ۴ لاکھ روپیہ حاصل ہوا۔ فالحمد للہ علی ذلک حمداً کثیرا۔

اس سلسلے کے چند خطوط ذیل میں نقل کرتا ہوں، جن سے معلوم ہوگا کہ

ہر کام میں رضائے حق، اتباعِ شریعت، اور فکر آخرت ہی پیشِ نظر تھا۔

(۱) یہ والا نامہ حضرت مفتی صاحبؒ کے حکم سے احقر کو لکھا گیا:۔

"یہ تو جناب کو علم ہے کہ جامعہ اشرفیہ کی خریدکردہ اراضی پر مسجد تعمیر ہو رہی ہے، اور اس ہفتے میں انشاء اللہ، مدرسہ کی تعمیر کی ابتدا بھی ہو جائے گی۔ مسجد کے دروازوں، چوکھٹ اور کواڑوں کے لئے لکڑی کی فوری ضرورت ہے۔ یہاں لاہور میں لکڑی کافی گراں ہے۔ ایک صاحب نے بتلایا کہ "دربند" ریاست میں عمدہ خشک دیار کی لکڑی ارزاں مل جاتی ہے۔ حضرت قبلہ مفتی صاحب مدظلہم کے حضور میں عرض کیا گیا فرمایا کہ آپ کو لکھوں۔ آپ نواب صاحب سے یا اور کسی ذریعہ سے تحقیقات فرما کر اطلاع دیں گے۔ لہٰذا مکلف ہوں کہ ازراہِ کرم اس بارے میں تحقیقات فرما کر جلد جواب سے سرفراز فرمائیں۔ سفر خرچ مدرسہ ادا کرے گا۔"

(۲) احقر نے ابتدائی کوشش کی اطلاع اور دعا کی درخواست کی، تو اس پر تحریر فرمانے کا حکم فرمایا:۔

"قبلہ مفتی صاحب مدظلہم کے ارشاد کی تعمیل میں عرض ہے کہ دل سے دُعا ہے کہ حق تعالیٰ جامعہ اشرفیہ کے واسطے لکڑی کے حصول میں جناب کو کامیابی عطا فرمائیں اور آپ کو اپنی دولتِ محبّت و اُنس

سے نوازیں"۔

جب لکڑی کے لئے احقر کو لکھا گیا تو بندہ جناب حاجی گوہر علی خان صاحب مرحوم (سابق وزیر مالیات ریاست امب دربند) کے ہمراہ جناب نواب محمد فرید خان صاحب بالقابہ (والی امب) کی خدمت میں لکڑی کے لئے درختوں کے حصول کی غرض سے حاضر ہوا۔ اور جناب نواب صاحب موصوف نے سینکڑوں درخت ہماری درخواست پر جامعہ اشرفیہ کو عطا فرمائے۔

اسی دُھن میں اسی غرض سے جناب حاجی گوہر علی خان صاحب مرحوم موصوف ہی کی وساطت سے جاگیردار صاحب پھلی وغیرہ سے بھی بہت سے درخت جامعہ کے لئے حاصل کئے۔

اس کے بعد ان درختوں کی فروخت میں زیادہ دخل جناب محمد یعقوب خان صاحب سابق ڈسٹرکٹ انسپکٹر مدارس ہزارہ وحال ڈائریکٹر تعلیمات ویسٹ اسٹیٹ کا رہا، اور درختوں کی منظوری جامعہ اشرفیہ کے لئے حکومت سے حاصل کرنے میں جناب شبیر بہادر خان صاحب کی کوششوں کو خاص دخل رہا۔

حضرت مفتی صاحبؒ فرمایا کرتے تھے کہ حق تعالیٰ نے ہزارہ کے پہاڑوں سے بہت بڑی رقم جامعہ اشرفیہ کو بھیجدی۔ چنانچہ

(۳) اسی سلسلے کے ایک والانامہ میں تحریر فرمایا:۔

"معلوم ہوا کہ نواب صاحب کے درختوں کے لئے فکر میں ہیں، جزاکم اللہ

رمضان شریف آخر کو پہنچ چکا ہے تلاوت اور ذکر میں ڈوب جائیں"۔

(۴) ایک والا نامے میں تحریر فرمایا :۔

"کوشش کرتے رہو۔ پھر جو مقدر ہے ہو جائے گا، کسی کی مخالفت کی طرف توجہ نہ کرو۔ اور نہ پروا کرو، دعا بھی کرتا ہوں "۔

(۵) "والا نامہ پہنچا۔ دل سے دعا نکلی۔ آپ در بند سے کوشش کریں۔ مدرسہ میں روپیہ بہت کم ہے، کوشش کریں کہ لکڑی بلا قیمت ملے۔ کرایہ ادا کر دیں گے۔ اور لکڑی بھی دیا ریا اور کوئی دبریا ہو نواب صاحب سے بھی اس کا ذکر کریں کہ اپنی مملکت سے لکڑی کی مدد کریں"۔

(۶) "والا نامہ سے دل خوش ہوا۔ حالات معلوم ہو گئے۔ مقاصد کے لئے دعا کرتا ہوں۔ حق تعالیٰ اپنی رضا و قرب عطا فرمائے، اور اپنے ذکر و فکر میں لگائے رکھے کہ اس سے اور بہتر کام نہیں، گیارہ ہزار کا ڈرافٹ مل گیا۔ ٹھیکیداروں کے دھوکے سے بچنے کی کوشش کرتے رہیں، حق تعالیٰ آپ کی حفاظت فرمائے"۔

(۲)

۱۳۶۸ھ میں جناب محمد فرید خان صاحب امب بالتقابہ نے احقر کے اپنے پاس ریاست میں قیام کرنے کا اصرار کیا تو احقر نے اس سلسلے میں حضرت مفتی صاحب رح سے مشورہ اور رہنمائی حاصل کی۔ وہاں پر ایک مدرسہ قائم کرنے کی تجویز

بھی کی۔ ان امور کے بارے میں حضرت مفتی صاحبؒ نے عجیب و غریب نصائح اور ہدایات سے سرفراز فرمایا اور آج احقر کو یہ محسوس ہوتا ہے کہ اگر حضرت مفتی صاحبؒ کی یہ رہنمائی نہ ہوتی تو احقر سخت پریشانی اور الجھن میں گرفتار ہو جاتا۔

(۱) اِس سلسلے میں احقر نے ابتدائی عریضہ تحریر کیا۔ جس میں محترم نواب صاحب در بند کی اس خواہش کا اظہار کر کے ہدایات طلب کیں۔ تحریر فرمایا:۔

"دِل کو تو یہی لگتا ہے کہ رخصت لے کر نواب صاحب کے پاس اقامت منظور کی جاوے۔ اُمید ہے کہ دین کا نفع ہو گا۔ ایک امر بہت ضروری ہے کہ نواب صاحب سے کسی قسم کی سفارش اور کسی کی شکایت بالکل نہ کی جاوے۔ دوم یہ کہ کسی شخص سے دوستی، دشمنی نہ رکھی جائے بالکل گوشہ نشینی کی شکل ہو۔ باہمہ ہو کر بے ہمہ ہونا چاہیئے۔ اپنے ذکر اور مطالعہ کتب میں مشغول رہیں اور تبلیغ کو اپنا فرض سمجھیں۔ نرم اور صاف الفاظ سے حق ظاہر کر دیں۔ پھر عمل کا انتظار نہ کریں کہ لوگ اس کے کہنے پر عمل کریں، بڑی کامیابی دین کی یہ ہے کہ حضرت والا (تھانویؒ) کی تصانیف کا اجرار اور چرچا کیا جاوے انشاءاللہ بہت نفع ہو گا"۔

(۲) اس کے بعد احقر نے حسب الحکم نواب صاحب کو حضرت تھانویؒ قدس سرہٗ کے ملفوظات، مواعظ اور تصانیف سے روشناس کرایا اور بعض اہم چیزیں ان کی نظر سے گذاریں۔ جس کا بحمداللہ نفع ہوا۔ اس کے ساتھ ساتھ ایک

دینی مدرسہ کے اجراء پر نواب صاحب کو متوجہ کیا اور ان تمام امور کی اطلاع عرض کی اس پر ارتقام فرمایا :-

"حق تعالیٰ حاسدوں کے ضرر سے محفوظ فرمائیں حضرت (تھانوی) کے کلام میں بجلی کا اثر ہے۔ بس پیش کرتے رہیں۔ انشاء اللہ اصلاح ہو جائے گی۔ مدرسہ کا آغاز، ابتدائی کتابوں سے کیا جاوے حفظِ قرآن و تجوید کا انتظام نہایت ضروری ہے۔ انشاء اللہ تعالیٰ آپ کے لئے بھی صدقۂ جاریہ اور نواب صاحب کے لئے آخرت کا بہت بڑا ذخیرہ ہو گا۔ حق تعالیٰ اس تجویز کو عملی صورت عنایت فرمائیں آمین۔ آپ کی اطلاع کے لئے مکتوبات حضرت مجدد سرہندی کے مکتوب[ع] چہل و ششم کا پتہ دیتا ہوں، جس میں مجدد صاحبؒ نے لکھا ہے کہ ایک مسئلہ دین کا بتا دینا کروڑہا روپے صرف کرنے سے زیادہ بہتر و موجب ثواب ہے۔ اگر مدرسہ چل پڑا تو نواب صاحب کو اور آپ کو کسقدر ثواب ملے گا۔"

(۳) اس کے بعد احقر نے مجوزہ مدرسہ کی تشکیل کی صورت یہ تجویز کی، کہ پانچ مدرس ہوں۔ جن میں سے ایک تو صدر مدرس اور مہتمم ہو اور باقی چار اس کے ماتحت ہوں، وغیرہ۔ اس کے جواب میں فرمایا :

محبّی! السلام علیکم ورحمۃ اللہ۔ پہلی بات تو یہ ہے کہ آپ میں سادگی و حسن ظن

ع یہ مکتوب صفحہ ۲۴۰ پر ملاحظہ ہو

کا مادہ موجود ہے، دوؔم یہ کہ علماء میں عام طور پر حسد اور اس کی جڑ کبر موجود ہے۔ مدرسہ میں مدرسین سے بجائے نفع کے فساد کا احتمال بھی ہے۔ مدرس نیک، خانقاہ کے تربیت یافتہ اور خوش عقیدہ ہوں، مدرسہ ابتدائی تعلیم کے لئے ہو۔ بڑی بڑی کتابیں ذرا تدریج کے بعد ہوں، طلبائے علم میں بھی وہ مرض حسد و کبر موجود ہوتا ہے۔ مہتمم آپ ہوں کسی مدرس کو مہتمم نہ کیا جاوے۔ بہشتی زیور داخلِ درس ہو۔ بچوں کی تعلیم اور ابتدائی عربی تعلیم سے شروع کیا جاوے۔ دو باتیں آپ کے لئے ضروری ہیں ایک یہ کہ اختلاط کم ہو۔ بلا ضرورتِ شدید، کسی مولوی یا دنیا دار سے اختلاط نہ ہو۔ دُوسرے نواب صاحب کے پاس کسی کی سفارش نہ کی جائے اس سے پہلے بھی یہ عرض کیا تھا۔ آپ نے اس کے متعلق کچھ جواب نہیں دیا۔ نواب صاحب کو کسی تدبیر سے اور اسی طرح ارکان ریاست کو حضرت والا رحمۃ اللہ علیہ کے ملفوظات و مواعظ پر لانے کا خیال رکھیں امید ہے کہ آپ کی وجہ سے تبلیغِ دین ہوگی۔"

(۴) جب احقر نے اس امر کی اطلاع کی کہ ریاست کے بعض حضرات نے میرے نواب صاحب کے پاس رہنے پر حسد شروع کر دیا ہے تو فرمایا:-

"آپ فکر نہ کریں۔"

اور نواب صاحب و دیگر حضرات کو حضرت تھانویؒ قدس سرہٗ کی تصانیف

کی طرف لانے کے ذکر پر تحریر فرمایا :۔

"جزاکم اللہ ۔لاکھوں کا دین درست ہوگا"

نواب صاحب نے مدرسہ کے اجرار کا حکم صادر فرما دیا ، اس پر ارقام فرمایا :

"الحمد للہ ۔ یہ آپ اور نواب صاحب دونوں کے لئے آخرت کا بہت بڑا ذخیرہ ہے ۔حق تعالیٰ قبول فرمائیں ۔اس سے برکات دارین عطا فرمائیں"

(۵) ایک عریضے میں احقر نے ریاست کے بعض با اثر حضرات واہل علم وغیرہ کی مخالفت کا اور کچھ نواب صاحب کی کم توجہی کا ذکر کرکے ہدایت چاہی تو فرمایا :۔

"بلا سے ، ذرہ برابر فکر نہ کرو ۔اب اسکول میں رہو ۔نواب صاحب کے پاس رہنے میں ایک دینی مشیر ہونے کا خیال تھا ۔جب ان کو خیال نہیں تو وہ اپنے گھر خوش رہیں ۔آپ اپنے آشیانے میں بے فکر رہیں"

"آپ چونکہ حالات سے واقف ہیں ۔جو مصلحت ہو' وہ کریں' باقی میرے دل کو تو یہ پسند ہے کہ جب نواب صاحب کو توجہ کم ہے تو پھر علیحدہ رہنا اچھا ہے ۔ع

قربِ سلطاں آتشِ سوزاں بود

ہم نہ مکر جانتے ہیں نہ تملق ۔نہ جنگ ، نہ پارٹی بازی ۔تنہائی اور گوشہ نشینی پسند ہے کہ قلب مطمئن رہے گو خشک روٹی اور باسی ملے ۔خیال تھا کہ نواب صاحب کو دین کا نفع ہو اور عوام کو بھی دین کا فائدہ پہنچے ۔نہ

یہ کہ اپنا دین بھی خطرے میں پڑ جائے۔ سکول میں حسد کرنے والے کم ہوں گے اگر قطع تعلق کرنے کا فیصلہ کریں تو قطع تعلق بھی خوبصورتی سے کریں، کیونکہ ان حالات میں امید نہیں کہ آپ وہاں رہ کر گوشہ نشینی اختیار کر سکیں گے۔ آخر میں دعا کرتا ہوں کہ جو بہتر ہو اس کی توفیق ہو جائے"۔

اسی زمانے میں ایک عریضہ تحریر کیا جس میں کچھ اپنی قلبی تشویش اور پریشانی کا ذکر تھا اور مدرسۂ مجوزہ کے بارہ میں شکایت تھی کہ اہلِ ریاست اس میں کچھ دلچسپی نہیں لے رہے۔ اس پر تحریر فرمایا:۔

"تشویش کا علاج فکرِ آخرت ہے۔ یہ وہ اژدہا ہے کہ کل پریشانیوں کو نگل جاتا ہے۔ اس دولت سے کام لیں۔ مدرسہ کی بھی فکر نہ کریں کوشش کر کے پھر بے فکر ہو جائیں"۔

(٦) جب ۱۹۵۰ء میں بغاوت کی وجہ سے ریاست کے حالات نواب صاحب کے خلاف ہو گئے تو احقر نے اطلاع دی۔ اس پر ارقام فرمایا:۔

"ریاست کے احوال سن کر بہت صدمہ ہوا۔ حق تعالیٰ انجام نواب صاحب کے حق میں بہتر فرمائیں اور ہمیشہ ان کو معاندین پر سربلند رکھیں۔ پاکیزہ جذبات کے مالک ہیں۔ اُن کو ہر معاملہ میں نظر حق تعالیٰ پر رکھنی چاہیئے اور خوب توجہ سے دُعاء اَللّٰھُمَّ اِنِّیْٓ اَعُوْذُبِكَ مِنْ شُرُوْرِھِمْ وَاَجْعَلُكَ فِیْ نُحُوْرِھِمْ نماز کے بعد کم از کم تین مرتبہ پڑھنی چاہیئے"۔

بعض مخالفین کے معاندانہ رویہ کی احقر نے شکایت کی کہ اس سے تکلیف ہے۔ اس پر ارقام فرمایا کہ :-

"دِل سے دعار کرتا ہوں۔ آپ اس پر عامِل رہیں :ے

وَلَقَدْ اَمُرُّ عَلَى اللَّئِيمِ يَسُبُّنِيْ
فَمَضَيْتُ ثَمَّةَ قُلْتُ لَا يَعْنِيْنِيْ

پھر تکلیف انشاء اللہ کم ہوگی"۔ شعر کا ترجمہ یہ ہے :-

"مخالف جب مجھ کو بُرا بھلا کہتا ہے تو اس کی طرف سے یوں گذر جاتا ہوں جیسے وہ کسی اور کو کہہ رہا ہے"۔

(۷) حضرت مفتی صاحب کے والانامے کو جناب نواب صاحب کو دکھایا تو انہوں نے اس کو بار بار پڑھا اور فرطِ عقیدت سے آنکھوں سے لگاتے رہے اور یہ سب کچھ سب حاضرین کے سامنے کرتے رہے اور احقر سے یہ خواہش ظاہر کی کہ حضرت مفتی صاحب سے یہاں تشریف لانے کے لئے عرض کیا جائے۔ احقر کی اِن اطلاعات پر تحریر فرمایا :-

" نواب صاحب کی ملاقات بایں وجہ کہ اَنَا عِنْدَ مُنْكَسِرَةِ الْقُلُوْبِ[ع] رضائے حق تعالیٰ کا ذریعہ ہے۔ نواب صاحب بھی ملیں گے اور نواب صاحب کے خالق و مالک حقیقی بھی ملیں گے۔ لاکن احقر کے لئے مجبوری

ع یہ حدیث قدسی ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ میں شکستہ دلوں کے پاس ملتا ہوں"۔ ۱۲

مرض وضعف سفر بہت مشکل ہے نیز ۲۱ر جنوری ۱۹۵۱ء کو کراچی میں علماء کا اجتماع اس غرض سے ہے کہ حکومت کو قانونِ اسلامی کے متعلق توجہ دلائی جاوے اور مطالبہ کیا جاوے اس غرض کے لئے مولانا احتشام الحق اور حضرت مفتی محمد شفیع صاحب لاہور تشریف لائے تھے اور مجھ کو مجبور کیا۔ اس غرض سے کراچی کا ارادہ کرلیا ہے۔ اس واسطے مجبور ہوں ورنہ نواب صاحب کے ارشاد کی تعمیل کو موجبِ ثواب سمجھ کر آتا۔ اور دعاء میں مشغول ہوں اور رات دن میں متعدد مرتبہ حق تعالیٰ نواب صاحب کے لئے دعاء کی توفیق عنایت فرماتے ہیں۔ جناب نواب صاحب کا والا نامہ پاس رکھ رکھا ہے۔ وہ دیکھ کر دعاء کی توجہ زیادہ ہو جاتی ہے وہ گویا مُذکِّرِ دعاء ہے۔ یقین کامل ہے کہ جناب نواب صاحب کو اس تکلیف میں نفع ہوگا۔ حضرت رحمۃ اللہ علیہ کا ارشاد خواجہ صاحبؒ نے نقل کیا ہے۔ وہ تعویذ بنا کر رکھنے کے قابل ہے۔ وہ یہ ہے، کہ ہر تصرف جو حق تعالیٰ کسی مسلمان میں فرما دیں گو وہ کتنا ہی ناگوار کیوں نہ ہو۔ مسلمان کے ذمہ یقین کرنا فرض ہے کہ اس میں میرا نفع ہے"

(۸) اس سلسلے کے ایک والا نامے میں تحریر فرمایا:۔

"ریاست کے احوال سے قلب کو صدمہ ہوا۔ نواب صاحب کے لئے دعاء کرتا رہتا ہوں۔ جناب کے لئے بھی دعاء کرتا ہوں۔ حق تعالےٰ

نجات عطا فرمائیں۔ بڑا نازک دَور ہے جس میں فکرِ آخرت کو اپنے پر سوار کرو اور لوگوں سے علیحدہ رہو اور ذکر میں اشتغال رکھو پھر سکون ہوگا۔"

آخر میں جب احقر کی طبیعت زیادہ مشوش ہوئی تو حضرت کی خدمت میں نواب صاحب کے اس خط کی نقل ارسال کی جس میں انہوں نے اس پر زور دیا تھا کہ ریاست ہی میں رہو۔ مشاہرہ وغیرہ کا کوئی تعین نہ ہونے سے بھی کچھ تشویش تھی اس پر حضرت نے ارقام فرمایا :۔

"مجھ کو تو نواب صاحب کے خط سے امید لگتی ہے کہ دین کا نفع ہوگا۔ آپ کو اگر اطمینان ہو کہ بقدر ضرورت معاش کا کام ہوتا جائیگا۔ اور نواب صاحب احیاناً ملاقات کا وقت بھی دیتے رہیں گے اور دین کی بات بھی سُن لیا کریں گے۔ آگے عمل کریں یا نہ کریں۔ پھر تو سکول سے اور رخصت لے لیں۔ مجھ کو تاکید سے یہ عرض کرنا ہے کہ نواب صاحب کسی طرح سمجھ جائیں کہ میرا مقصد یہاں کے قیام سے دین ہے۔ دُنیا نہیں میرے قیام کی غرض صرف اولیائے کرام کے نصائح پیش خدمت کر دینا ہے۔ مجھ کو کسی منصب کی خواہش نہیں۔ معاشِ زندگی کا بوجہ بشریت محتاج ہوں مگر اس کا حاصل کرنا اصلی مقصود نہیں۔ درویشانہ طریق پر رہنا پسند ہے۔ گو درویش نہیں مجھ کو کسی عالم سے جنگ و جدل نہ پسند نہ اس کی ہمت، بقول عارف رومیؒ ؎

جنگہا و جدلہا و نیک و بد   ایں دلم از صلحہا ھم می رمد

دارالعلوم کا مشورہ بھی بوجہ دین کے ہے اگر سکول میں رہا تو خدمت فرصت
کے وقت میں کروں گا۔ کیونکہ بعض مجبوریوں سے قرضہ بھی ہے۔ وہ شاید
اسکول میں رہنے سے جلدی ادا ہو گا۔ غرض درویش بن کر رہنا پسند ہے
عالم ہو کر رہنا پسند نہیں کیونکہ اس میں خصومت و جدال و حسد و شکایت
کا بہت امکان قریب ہے۔ جس کی مجھ کو برداشت نہیں اور دین کے
نقصان کا خطرہ ہے۔ اس واسطے مجھ کو علماء کے جلسہ و مجلس میں نہ جگہ دی جائے۔

از محمد حسن: یہ مضمون آپ کو پسند ہو تو نواب صاحب سے ذکر کر دیں،
اور اس کے مطابق عمل کریں۔ اگر اس کی ہمت نہیں۔ تو پھر شاید اسکول
بہتر ہو گا۔ امید ہے کہ وظیفہ کا تقرر نہ بھی کیا گیا اور تعیین نہ بھی کی گئی
تو بھی ملتا رہے گا۔ اور گذر ہوتا رہے گا۔ اگر دل کو نواب صاحب کا
معاملہ نہ لگے تو بھی قطع تعلق خوبصورتی سے کریں "

(۳)

احقر نے ایبٹ آباد میں ایک دینی مدرسہ جاری کرنے کا قصد کیا۔ اور اس
کا کچھ ابتدائی کام شروع کرنے کی اطلاع کی اور نام تجویز کرنے کے بارے میں
عرض کیا۔ اور طلبہ کے داخلہ اور تربیت کے لئے کچھ شرائط مقرر کرنے کی اطلاع
بھی کی۔ اس پر تحریر فرمایا:

(۱) "طلبہ کے لئے شرائط سے دِل بہت خوش ہوا۔ مدرسہ کا نام مدرسہ عزیزیہ رکھو۔"

(۲) "اخلاص کی برکت سے ہر قدم پر حق تعالیٰ کی امداد ہوتی ہے۔ اس کی کوشش کرتے رہو کہ دولتِ اخلاص عطا ہو، پھر بے فکر رہیں۔ پھر شکست میں بھی فتح ہے۔ ذکر اور طاعت میں مصروف رہنا چاہیئے۔ وقتِ موت قریب ہے۔ جو کام بعد موت کام آوے۔ اس میں جان بھی جاوے کچھ پرواہ نہ کرے۔"

(۳) "فکرِ آخرت، مراقبۂ موت، حاضری دربارِ الٰہی پیشِ نظر ہو تو نعمت ہے۔ ایمان کی حفاظت کے لئے دعاء کی درخواست ہے کہ اس کے سوا دُنیا میں کچھ نہیں، کچھ نہیں۔"

(۴) "حق تعالیٰ اپنی حفاظت میں رکھیں اور ہر فتنہ سے محفوظ رکھیں، تنہائی اور کفِ لسان نعمت ہے۔ دُنیا کا فنا ہر وقت پیشِ نظر رکھنا چاہیئے۔"

(۵) "حالات معلوم ہو کر دِل خوش ہوا۔ ہمت کر کے رمضان کو تلاوت اور نوافل میں گذارنے کی کوشش کریں پھر یہ دولت شاید نہ ملے۔"

(۶) "ایک ایک حرف خط کا پڑھ لیا۔ حق تعالیٰ آپ کو اور اس عاجز کو اپنی محبت عطا فرمائے۔"

(۷) "یہ جو لکھا کہ قبر ہر وقت سامنے ہے اور موت کا استحضار

ہے۔ اس کے ساتھ پریشانی کیسی؟ یہ مراقبہ تو عصائے موسیٰؑ کی طرح سب غموم وہموم کو نگل جاتا ہے۔"

(۸) ایک عریضے میں اپنی پریشانیوں کا ذکر کیا اور زندگی خوشگوار ہونے کے لئے دعاء کی درخواست کی۔ ارقام فرمایا:

"یہ تمنا کہ پریشانی نہ ہو، مستقل پریشانی ہے۔ اس کی تمنا ترک کرے کہ پریشانی نہ ہو۔ رفع پریشانی کی جگہ تو جنت ہے۔"

جو لوگ ایذا رسانی کے درپے ہیں ان کے ذکر پر تحریر فرمایا:

"ان کی طرف توجہ نہ کریں۔ جو مقدر ہے وہ ہوگا۔"

پھر ان حالات سے دل کے مغموم ہونے پر تحریر فرمایا:

"اس سے ثواب بھی ملے گا۔"

(۹) احقر نے عرض کیا کہ "احقر کی تشویشات اس نوعیت کی ہیں کہ باوجود غلبۂ مراقبۂ قبر و برزخ کے ہموم و غموم سے قلب بے حد متاثر ہے۔ یہ ابتلائے عظیم ہے۔" جواب:

"خط پڑھ لیا۔ ذکر اور مراقبات میں قلب کو خوب متوجہ رکھو۔ تنہائی کی اور تقلیلِ کلام کی عادت کی کوشش کرو۔ یہ بڑی نعمت ہے۔ کثرتِ کلام اور کثرتِ اختلاط بیحد مضر ہے اور موجبِ تشویشات ہے۔"

(۱۰) "خط ملا۔ حق تعالیٰ امداد فرمائیں۔ اگر کوئی صورت وہاں کامیابی کی نہ ہو

تو صبر کریں اور ملازمت کے ترک کا ارادہ نہ کریں۔ یہ شیطانی دغدغہ ہے رزقِ حلال، حفاظتِ دین کا ذریعہ ہے۔ اور دعا اور ذکر اور تنہائی کو پسند کریں۔ آپ کو ابھی نعمتِ تنہائی کا علم نہیں۔ بڑی دولت ہے۔ اور اہلِ اسلام کے لئے دعاء کرتے رہیں خوب توجہ سے ۔"

(۱۱) "ہمت کر کے بیداری میں معمولات کو ادا کرتے رہیں۔ یہ زندگی غنیمت ہے۔ ع اندریں رہ می تراش و می خراش

کو یاد رکھو ۔"

(۱۲) احقر نے ایک عریضے میں کچھ سیاسی حالات کا ذکر کیا جب کہ انتخابات کا دور دورہ تھا۔ اور نئی اسمبلیاں بن رہی تھیں۔ وَن یونٹ سے قبل۔ اس پر تحریر فرمایا:

" دونوں لفافے پہنچ گئے۔ دعاء کرتا ہوں کہ آپ کو سب قصے بھول جائیں۔ صرف محبوبِ حقیقی یاد رہے۔ ع

ما قصۂ سکندر و دارا نہ خواندہ ایم

اجمالاً مسلمانوں کی بہتری کی دعاء کر کے ذکر میں مشغول ہونا چاہیئے ۔

یار رہے تو یارب میرا اور میں تیرا یار رہوں
مجھ کو فقط تجھ سے ہو محبت خلق سے میں بیزار رہوں
سب خوشیوں کو آگ لگا کر غم میں ترے سرشار رہوں

یاد رہے مجھ کو نہ کوئی بھی بترا اگر ہشیار رہوں
ذکر میں تیرے فکر میں تیرے مست رہوں سرشار رہوں

بہت ملاقات بھی کسی سے نہ رکھو، تسبیح سے ملاقات رکھو۔ دعاء کرتا ہوں"

(۱۳) "حکام کا جبر ہمارے اعمال کا نتیجہ ہے۔ اَعْمَالُكُمْ عُمَّالُكُمْ۔ آپ موجودہ ملازمت کو بھی غنیمت سمجھیں۔ تنگدستی ذریعہ ارتداد تک کا ہو جاتا ہے۔ کام کر کے علیحدہ رہیں۔ کسی سے تعلق نہ رکھیں۔ اپنے عیوب پر نظر رکھیں۔ صبر کریں"

(۱۴) "احقر نے تمنا ظاہر کی کہ حضرت کا قیام ماہ رمضان المبارک میں غریب خانہ پر ہو جائے۔ جواب ارقام فرمایا:

"اَحَبَّكُمُ اللّٰهُ تَعَالٰی كَمَا تُحِبُّوْنِیْ[عہ]۔ حق تعالیٰ آپ کو اس احسان کا عوض جنت الفردوس عنایت فرمائیں"

تشویش قلبی اور غموم کے بارے میں ارشاد فرمایا:

"رفع تشویش و غم کا طریق تو ذکر ہے۔ آپ توجہ سے ذکر کریں طریق قطعی اور منصوص ہے پھر تفویض کی دولت سے کام لیں۔ تعجب ہے کہ علاج معلوم ہے۔ اُسے کرتے نہیں"

(۱۵) مضامینِ جہاد کے بارے میں ایک رسالہ تالیف کرنے کا ارادہ ظاہر کیا۔ جس کی صورت یہ ہوئی کہ پاکستان بننے کے ایک سال بعد جب ۱۹۴۸ء

عہ یعنی جیسے آپ مجھ سے محبت رکھتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ آپ کو اپنا محبوب بنائے۔

میں جہاد کشمیر شروع ہوا تو احقر نے اس موقع پر جہاد کے بارہ میں ایک رسالہ تالیف کرکے سابق صوبۂ سرحد کے وزیر تعلیم صاحب کی خدمت میں طباعت کیلئے بھیجا کہ صاحبِ موصوف نے اس کی طباعت واشاعت اپنے ذمہ لی تھی لیکن افسوس کہ دفتر وزارتِ تعلیم پشاور سے رسالہ کا مسودہ کہیں اِدھر اُدھر ضائع ہوگیا اور نہ ملا۔ رسالہ کے عنوانات احقر نے حضرت مفتی صاحبؒ کی خدمت میں پیش کیے تو اس پر ارقام فرمایا:

"حرفاً حرفاً آپ کا پرچہ پڑھ کر دل خوش ہوا۔ کل عنوان نہایت مفید ہیں حق تعالیٰ اس دولت کو جلد ہی ظاہر فرما کر اہلِ اسلام کی ہدایت کا ذریعہ اور اپنی خوشی کا ذریعہ بنائیں۔"

(۶) مدرسہ امداد العلوم عزیزیہ کے بارے میں تحریر فرمایا:

"مدرسہ کا اشتہار پہنچا۔ دل خوش ہوا۔ حق تعالیٰ امداد العلوم کی امداد فرمائیں۔ اس کو بانی کے لئے صدقہ جاریہ فرمائیں اور ہر قسم کی تکلیف سے محفوظ فرمائیں۔"

(۷) "محبت نامہ سے حالات معلوم ہوگئے۔ دل خوش ہوا۔ رمضان شریف میں تلاوت اور ذکر میں ڈوب کر وقت گذارنا چاہیئے۔ تقلیلات[ع] اربعہ پیشِ نظر رکھیئے۔ احقر کے لئے بھی دعاء فرماتے رہیں، اب وقت

[ع] "تقلیلاتِ اربعہ" صوفیہ کی اصطلاح میں چار چیزوں میں کمی کرنے کو کہتے ہیں۔ جن (باقی صفحہ ۱۲۹ پر)

بہت قریب ہے"

(۱۸) "خاص درخواست ہے کہ کسی دنیا دار اور مشہور آدمی کو احقر کی ملاقات کی ترغیب ہرگز نہ دی جائے۔ ہم کو ملاقات کا طریق بھی نہیں آتا"

(۱۹) حضرت تھانوی کی خواب میں زیارت پر تحریر فرمایا کہ: "مبارک ہو"

اور رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے روضۂ اقدس کی زیارت اور اس کے قریب چھوٹے چھوٹے روٹی کے ٹکڑے دیکھے اس پر ارقام فرمایا:

"وہ روحانی غذا ہوگی جو اس دربارِ عالی کے شایان شان ہے"

(۲۰) "جو حال جس وقت عطا ہو، وہی اس وقت مفید ہے اسپر راضی رہے۔ "ہرچہ از دوست میرسد نیکوست" کو یاد رکھنا چاہئے۔ طلب دعاء بھی دولت ہے کہ کلیدِ عبدیت ہے"

(۲۱) "اصل دولت فکرِ آخرت ہے۔ اس کے لئے دعاء کریں۔ مدارس۔ مساجد اس کی تمہید ہیں۔ رضائے حق اصلی دولت ہے۔ حق تعالیٰ اپنی رحمت سے نوازے۔ پھر سب کچھ مل گیا"

کا خاص اہتمام رمضان شریف میں ہوتا ہے۔ کیونکہ رمضان شریف کی عبادات انہی چار چیزوں میں کمی پر مشتمل ہیں۔ وہ یہ ہیں:۔

(۱) تقلیل طعام۔ یعنی کھانے میں کمی کرنا۔ جو روزہ کی روح ہے۔

(۲) تقلیل کلام۔ یعنی بولنے میں کمی کرنا۔ یہ تلاوت قرآن مجید اور ذکر کی روح ہے۔

(۳) تقلیل منام۔ یعنی سونے میں کمی کرنا۔ یہ تراویح کی روح ہے۔

(۴) تقلیل اختلاط مع الانام۔ یعنی ملنا جلنا کم کرنا۔ یہ اعتکاف کی روح ہے۔

اشاعتِ دین کی لگن

حضرت مفتی صاحبؒ کو دین کی تبلیغ اور اشاعت کی جیسی دُھن اور جس قدر دھیان تھا، وہ کم دیکھنے میں آیا ہے۔ ساری زندگی اسی کوشش کا مرقع نظر آتی ہے۔ علاوہ وعظ و تدریس و مجالس کے یہ کوشش بھی رہتی کہ دین کی مختصر باتیں اسطرح شائع ہوں کہ لوگوں کو کسی طرح دین پر عمل کرنے کی توفیق ہو۔ اِسی سلسلے کی کڑی وہ "چارٹ" ہیں۔ جو حضرت تھانویؒ کی مختلف تعلیمات پر مشتمل ہیں۔ اور حضرت مفتی صاحبؒ نے بڑے اہتمام سے اِن کو شائع فرمانے کا حکم فرمایا۔ اور بفضلہٖ تعالیٰ ہزاروں بلکہ غالباً لاکھوں کی تعداد میں شائع ہوئے۔ مثلاً :-

(۱) حضرت حکیم الامتؒ کی چند وصیتیں اور مشورے۔

(۲) دستور العمل۔

(۳) اصلاح کا آسان نسخہ۔

(۴) حضرت حکیم الامت کا وعظ "شرف المکالمہ" وغیرہ وغیرہ۔

یہاں پر مناسب معلوم ہوتا ہے کہ علاوہ نمبر (۴) کے (کہ وہ تو مستقل ایک رسالہ ہے) ہر سہ کو ذیل میں درج کیا جائے۔ تاکہ ناظرین کرام بھی اس سے مستفید ہوں اور حضرت مفتی صاحبؒ کی خواہش کے مطابق اس کی اشاعت زیادہ سے زیادہ ہو۔

مجدد الملۃ حکیم الامۃ حضرت مولانا شاہ محمد اشرف علی صاحب تھانوی قدس سرہٗ کی

چند وصیتیں اور مشورے

(۱) میں اپنے دوستوں کو خصوصاً اور سب مسلمانوں کو عموماً بہت تاکید کرتا ہوں کہ علم دین کا خود سیکھنا اور اولاد کو تعلیم کرانا ہر شخص پر فرض عین ہے خواہ بذریعہ کتاب ہو یا بذریعہ صحبت، بجز اس کے کوئی صورت نہیں کہ فتن دینیہ سے حفاظت ہو سکے۔ جن کی آج کل بیحد کثرت ہے۔ اس میں ہرگز غفلت و کوتاہی نہ کریں۔

(۲) طالب علموں کو وصیت کرتا ہوں کہ نرے درس و تدریس پر مغرور نہ ہوں اس کا کارآمد ہونا موقوف ہے اہل اللہ کی خدمت و صحبت و نظر عنایت پر اس کا التزام نہایت اہتمام سے رکھیں۔ کیونکہ ؎

بے عنایاتِ حق و خاصانِ حق　　گر ملک باشد سیہ ہستش ورق

(۳) دینی یا دنیوی مضرتوں پر نظر کرکے اِن امور سے خصوصیت کے ساتھ احتیاط رکھنے کا مشورہ دیتا ہوں :-

(۱) شہوت و غضب کے مقتضا پر عمل نہ کریں (۲) تعجیل نہایت بُری چیز ہے، (۳) بے مشورہ کوئی کام نہ کریں (۴) غیبت قطعاً چھوڑ دیں (۵) کثرت کلام اگرچہ مباح کے ساتھ ہو اور کثرت اختلاط خلق بلا ضرورت شدیدہ و بلا مصلحت مطلوبہ اور خصوصًا جب کہ ہر کس و ناکس کو راز دار بھی بنا لیا جائے۔ نہایت مضر چیز ہے (۶) بدوں پُوری رغبت کے کھانا ہرگز نہ کھائیں (۷) بدوں سخت تقاضے کے ہرگز ہم بستر نہ ہوں (۸)

بدوں سخت حاجت کے قرض نہ لیں (۹) فضول خرچی کے پاس نہ جائیں (۱۰) غیر ضروری سامان جمع نہ کریں (۱۱) سخت مزاجی و تندخوئی کی عادت نہ کریں۔ رفق اور ضبط اور تحمل کو اپنا شعار بنائیں (۱۲) زیادہ تکلف سے بہت بچیں، اقوال و افعال میں بھی طعام ولباس میں بھی۔ (۱۳) مقتدا کو چاہیئے کہ امراء سے بدخلقی نہ کرے اور نہ زیادہ اختلاط کرے اور نہ اِن کو حتی الامکان مقصود بنا دے، بالخصوص دنیوی نفع حاصل کرنے کے لئے۔ (۱۴) معاملات کی صفائی کو دیانات سے بھی زیادہ مہتم بالشان سمجھیں (۱۵) روایات وحکایات میں بے انتہا احتیاط کریں۔ اس میں بڑے بڑے دیندار اور فہیم لوگ بے احتیاطی کرتے ہیں، خواہ سمجھنے میں یا نقل کرنے میں۔ (۱۶) بلا ضرورت بالکلیہ اور ضرورت میں بلا اجازت و تجویز طبیب حاذق شفیق کے کسی قسم کی دوا ہرگز استعمال نہ کریں (۱۷) زبان کی غایت درجہ ہر قسم کی معصیت ولایعنی سے احتیاط رکھیں۔ (۱۸) حق پرست رہیں۔ اپنے قول پر جمود نہ کریں (۱۹) تعلقات نہ بڑھائیں (۲۰) کسی کے دنیوی معاملہ میں دخل نہ دیں۔

(۴) میں اپنے تمام منتسبین سے درخواست کرتا ہوں کہ ہر شخص اپنی عمر بھر یاد کر کے ہر روز سورۂ یٰسین شریف یا تین بار قل ہو اللہ شریف پڑھ کر مجھ کو بخش دیا کرے۔ مگر کوئی امر خلافِ سنت بدعت عوام تو خواص میں سے نہ کریں۔

(۵) حتی الامکان دنیا و مافیہا سے جی نہ لگائیں اور کسی وقت فکرِ آخرت سے غافل نہ ہوں۔ ہمیشہ ایسی حالت میں رہیں کہ اگر اسی وقت پیامِ اجل آجائے تو

کوئی فکر اس تمنا کا مقتضی نہ ہو۔ لَوۡ لَآ اَخَّرۡتَنِیۡٓ اِلٰٓی اَجَلٍ قَرِیۡبٍ فَاَصَّدَّقَ وَاَکُنۡ مِّنَ الصّٰلِحِیۡنَ ط اور ہر وقت یہ سمجھیں ع شاید ہمیں نفس نفس واپسیں بود، اور علی الدوام دِن کے گناہوں سے قبل رات کے اور رات کے گناہوں سے قبل دن کے استغفار کرتے رہا کریں اور حتی الوسع حق العباد سے سبکدوش رہیں۔

(۶) خاتمہ بالخیر ہونے کو تمام نعمتوں سے افضل و اکمل اعتماد رکھیں اور ہمیشہ خصوصًا بعد پانچوں نمازوں کے نہایت لجاجت و تضرّع سے اس کی دعاء کیا کریں، اور ایمان حاصل پر شکر کیا کریں کہ حسبِ وعدہ لَئِنۡ شَکَرۡتُمۡ لَاَزِیۡدَنَّکُمۡ۔ یہ بھی اعظم اسباب ختم بالخیر سے ہے اور اسی کے ساتھ میں اپنے لئے بھی اس دُعاء کے لئے درخواست کرکے اس مضمون کو ختم کرتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ میرا بھی خاتمہ ایمان پر فرمائے۔ (ماخوذ از اشرف السوانح جلد سوم)

دستور العمل

(منجملہ ارشاداتِ عالیہ حکیم الامت مجدد الملۃ حضرت شاہ محمد اشرف علی صاحب تھانوی نور اللہ مرقدہٗ)

وہ دستور العمل جو دل پر سے پردے اٹھاتا ہے جس کے چند اجزاء ہیں ایک تو کتابیں دیکھنا یا سُننا۔ دُوسرے مسائل دریافت کرتے رہنا۔ تیسرے اہل اللہ کے پاس آنا جانا ہے اور اگر اُن کی خدمت میں آمدورفت نہ ہو سکے تو بجائے اُنکی صحبت کے ایسے بزرگوں کی حکایات و ملفوظات ہی کا مطالعہ کرو یا سُن لیا کرو۔ اور اگر تھوڑی

دیر ذِکر اللہ بھی کر لیا کرو۔ تو یہ تو اصلاحِ قلب میں بہت ہی مُعین ہے اور اسی ذِکر کے وقت میں سے کچھ وقت محاسبہ کے لئے نکال لو جس میں اپنے نفس سے اسطرح باتیں کرو کہ

"اے نفس ایک دن دنیا سے جانا ہے۔ موت بھی آنے والی ہے۔ اُس وقت یہ سب مال و دولت یہیں رہ جائے گا۔ بیوی بچے سب تجھے چھوڑ دیں گے۔ اور خدا تعالیٰ سے واسطہ پڑے گا۔ اگر تیرے پاس نیک اعمال زیادہ ہوئے تو بخشا جائے گا۔ اور گناہ زیادہ ہوئے تو جہنم کا عذاب بھگتنا پڑے گا۔ جو برداشت کے قابل نہیں ہے۔ اس لئے تو اپنے انجام کو سوچ اور آخرت کے لئے کچھ سامان کر۔ یہ عمر بڑی قیمتی دولت ہے اس کو فضول رائگاں مت برباد کر۔ مرنے کے بعد تو اس کی تمنا کرے گا کہ کاش میں کچھ نیک عمل کر لوں جس سے مغفرت ہو جائے۔ مگر اُس وقت تجھے یہ حسرت مفید نہ ہوگی۔ پس زندگی کو غنیمت سمجھ کر اس وقت اپنی مغفرت کا سامان کر لے۔"

اصلاح کا آسان نسخہ

—— از ——

حکیم الامت مجدد الملت حضرت مولانا شاہ محمد اشرف علی صاحب تھانوی نور اللہ مرقدہٗ

دو رکعت نماز نفل توبہ کی نیّت سے پڑھ کر یہ دعاء مانگو

کہ "اے اللہ میں آپ کا سخت نافرمان بندہ ہوں۔ میں فرمانبرداری کا ارادہ کرتا ہوں۔ مگر میرے ارادے سے کچھ نہیں ہوتا اور آپ کے ارادے سے سب کچھ ہو سکتا ہے۔ میں چاہتا ہوں کہ میری اصلاح ہو۔ مگر ہمت نہیں ہوتی۔ آپ ہی کے اختیار میں ہے میری اصلاح —— اے اللہ میں سخت نالائق ہوں سخت لئیم ہوں سخت گنہ گار ہوں۔ میں تو عاجز ہو رہا ہوں۔ آپ ہی میری مدد فرمائیے۔ میرا قلب ضعیف ہے۔ گناہوں سے بچنے کی قوت نہیں۔ آپ ہی قوت دیجئے۔ میرے پاس کوئی سامان نجات نہیں۔ آپ ہی غیب سے میری نجات کا سامان پیدا کر دیجئے۔ اے اللہ جو گناہ میں نے اب تک کئے ہیں انہیں آپ اپنی رحمت سے معاف فرمائیے۔ گو میں یہ نہیں کہتا کہ آئندہ ان گناہوں کو نہ کروں گا۔ میں جانتا ہوں کہ آئندہ پھر کرونگا۔ لیکن پھر معاف کرالوں گا۔"

غرض اسی طرح سے روزانہ اپنے گناہوں کی معافی اور عجز کا اقرار اور اپنی نالائقی کو خوب اپنی زبان سے کہہ لیا کرو۔ صرف دس منٹ روزانہ یہ کام کر لیا کرو بھائی

دوا بھی مت پیو، بدپرہیزی بھی مت چھوڑو۔ صرف اس تھوڑے سے نمک کا استعمال کر لیا کرو۔ آپ دیکھیں گے کہ کچھ دن بعد غیب سے ایسا سامان ہو گا کہ ہمت بھی قوی ہو جائے گی۔ شان میں بھی بٹہ نہ لگے گا۔ دشواریاں بھی پیش نہ آئیں گی۔ غرض غیب سے ایسا سامان ہو جاوے گا کہ آپ کے ذہن میں بھی نہیں ہے۔

(ملتِ ابراہیم صفحہ ۸۴)

یہ چند مکتوبات وغیرہ جو درحقیقت گرانبہا خزانہ ہے پیش کر کے ختم کرتا ہوں۔ اللہ تعالیٰ قبول فرمائے اور نافع فرمائے۔ آمین۔

اس کے بعد مکرمی جناب حکیم سید ابراہیم صاحب زنجی زید لطفہم کا ایک قصیدہ نقل کرتا ہوں۔ جس میں انہوں نے خانقاہِ تھانہ بھون اور اس سے فیض یافتہ حضرات کا تذکرہ عجیب انداز میں فرمایا ہے۔ اُمید ہے کہ ناظرین کرام کے لئے نہ صرف ضیافتِ طبع کا مصداق بنے گا۔ بلکہ انشاء اللہ بہت نافع ہو گا۔

نذرِ عقیدت

وہ شاید مل نہیں سکتا مقدس خانقاہوں میں
سبق جو ہم نے سیکھا ہے جنوں کی درس گاہوں میں
ضیائے دوست کی کرنیں لیے ہیں جو نگاہوں میں
بھٹک سکتے نہیں وہ زندگی کی شاہراہوں میں

وہاں مے نوش ہیں جام و سبو ہیں حُسنِ ساقی ہے
جو رونق میکدے میں ہے کہاں وہ خانقاہوں میں

پسند آئے گی مشکل سے وہ مجذوبانِ اُلفت کو
نکلتی ہے جو شانِ خود نمائی، کجکلاہوں میں

خوشی کی جستجو میں گم ہوئے ہیں کارواں لاکھوں
بھٹک سکتا نہیں انسان غم کی شاہراہوں میں

خرد والے نکل آئے اِدھر کیا سوچ کے آخر
سنبھل کر چل نہیں سکتے، یہ دیوانوں کی راہوں میں

تصور میں بھی ہم تابِ نظارہ لا نہیں سکتے
قیامت کی کشش ہوتی ہے مُرشد کی نگاہوں میں

شفیعؔ و عارفیؔ ہوں یا حسنؔ ہوں یا غنیؔ احسنؔ
نشانِ معرفت ہیں معرفت کی شاہراہوں میں

یہی تھانہ بھونؔ کے آسماں کے وہ ستارے ہیں
ضیاءِ ماہِ اشرف ہے عیاں جن کی نگاہوں میں

غضب کا سوز ہے اِن میں بلا کا جذب رکھتے ہیں
ذرا جا کر تو دیکھیں آپ ان کو جلوہ گاہوں میں

دماغ و دل نہ ہو جائیں منوّر تو مرا ذمّہ

گھڑی بھر آ کے بیٹھے تو کوئی اِن جلوہ گاہوں میں
نظر سے پھوٹ نکلیں کیوں نہ چشمے جذب و مستی کے
لیئے بیٹھے ہیں کیفِ چشمِ ساقی جب نگاہوں میں
مناسب ہے دکھا دو اِن کو منظر خلوتِ دِل کا
لیئے بیٹھے ہو تم جو بجلیاں اپنی نگاہوں میں
شناور بن گئے اِن کی بدولت ڈوبنے والے
سلیقہ اِن فقیروں سا نہیں ہے پادشاہوں میں
توجّہ ہے نہ ہُو حق ہے تصرّف ہے نہ چلّے ہیں
مگر حقانیت ہے اِن کی سادہ خانقاہوں میں
اثر انداز ہوں گے دِل میں جلوے طورِ فاراں کے
بہت دِن رہ چکے ہیں ہم تمہاری جلوہ گاہوں میں
ٹھکانا گو نہیں کوئی ہمارے بارِ عصیاں کا
مگر اُمیدِ رحمت بھی نہیں ٹوٹی گناہوں میں
گوارا ہے ہمیں صیاد کا طرزِ عمل ورنہ
قفس کو پھونک دیں اتنی ابھی طاقت ہے آہوں میں
دکھائیں گے انہیں ہم خوں شدہ سب حسرتیں دل کی
کبھی تو آئیں گے وہ تیرے رد ذمی داد خواہوں میں

طویل علالت

حضرت مفتی صاحبؒ کی علالت کا سلسلہ قریباً پچیس تیس سال سے جاری تھا اُن کے پاؤں پر ایک سمّی قسم کا پھوڑا ہوگیا تھا جس کے اثرات ساری پنڈلی میں سرایت کر گئے تھے اور تمام ٹانگ کو اپنی لپیٹ میں لے لیا تھا۔ اس کی حالت ایسی ہوگئی تھی جیسے شہد کی مکھیوں کا یا بھڑوں کا چھتا ہوتا ہے۔ ایسی خطرناک صورت ہوگئی تھی کہ حضرت کسی کو دیکھنے نہیں دیتے تھے۔ ایک دو مرتبہ احقر کو پاؤں دیکھنے کا اتفاق ہوگیا۔ بندہ کے سامنے پٹی بدلی گئی۔ مگر اتنی طویل علالت کے عرصہ میں آپ نے یہ بھی ظاہر نہ ہونے دیا کہ کسی شدید تکلیف میں مَیں مبتلا ہوں۔ آپ ہمیشہ ہشاش بشاش رہتے تھے ملنے والے اور جان پہچان والے جب کبھی اس سلسلہ میں بیمار پُرسی کرتے تو ہمیشہ یہی جواب ملتا کہ "الحمدللہ" اچھا ہوں۔ جب زخم اور سمّی اثرات اُوپر کو بڑھنے لگے تو اس وقت مخلصین احباب کے اصرار پر آپ ٹانگ کٹوانے پر راضی ہوگئے۔ وہ زمانہ سردار عبدالرّب صاحب نشتر کی گورنری کا تھا جو حضرت مفتی صاحبؒ کی مجلس میں اخلاص کے ساتھ آمدورفت رکھتے تھے، مرض کی بنا پر ٹانگ کے کاٹے جانے کا آپریشن کرنے کا واقعہ آپ کی زندگی کا مشہور واقعہ ہے۔ ڈاکٹروں نے حسبِ دستور آپ کو ایسی دوا دینی چاہی کہ جس

سے تکلیف کا احساس کم ہو مگر آپ نے دوا لینے سے صاف انکار کر دیا اور فرمایا کہ مجھے میرے حال پر چھوڑ کر آپ اپنا کام شروع کریں۔ عمر پچھتر (۷۵) سال کے لگ بھگ، ڈاکٹر صاحبان بڑے پریشان تھے۔ لیکن حضرت کے سامنے بات کرنے کی کس کو مجال تھی؟ طوعاً و کرہاً ایک ٹیکہ لگا کر ڈاکٹروں نے ران مبارک کاٹنی شروع کر دی۔ اس میں تقریباً ایک گھنٹہ لگا۔ آپریشن کے وقت ڈاکٹر کرنل ضیاء اللہ صاحب کا ہاتھ حضرت کی نبض پر تھا۔ اُن کا بیان ہے کہ حیرت ہے آپریشن کے شروع سے لے کر اختتام تک نبض کی رفتار میں کوئی فرق نہیں آیا۔ اور آپریشن کے بعد شریانوں کے کٹنے سے جو شدید درد پیدا ہوتا ہے اس کی شدت کا کوئی اور فرد مقابلہ نہیں کر سکتا مگر حضرت جس بشاشت کے ساتھ "آپریشن روم" میں داخل ہوئے تھے اُسی کیفیت کے ساتھ واپس ہوئے۔ جیسے کہ کچھ ہوا ہی نہیں۔ آپریشن کے دوران میں اور نہ اس کے بعد حضرت کی زبان سے اُف نکلی۔ نہ کسی وقت کی نماز قضا ہوئی، بلکہ اُس شب میں نمازِ تہجد بھی آپ سے ناغہ نہیں ہوئی۔ لوگ اس پر حیران تھے۔

اس ضمن میں فرمایا کہ "جب میری ٹانگ کاٹی گئی۔ تو ڈاکٹروں کو خطرہ تھا کہ شاید میں جانبر نہ ہو سکوں۔ ڈاکٹر امیر الدین صاحب بھی گھبرائے ہوئے تھے اور ٹانگ کاٹ رہے تھے اور ڈاکٹر ریاض قدیر صاحب ٹانکے لگا رہے تھے اور کرنل ڈاکٹر ضیاء اللہ صاحب نبض پر ہاتھ رکھے ہوئے تھے۔ وہ لوگ سمجھ رہے تھے کہ میں بھی پریشان ہوں گا مگر میں نے کہا کہ میرے لئے تو آج یوم عید ہے۔ کیونکہ اس میں رضاءِ حق اور لقاءِ حق

کا جلوہ نظر آ رہا تھا"۔ یہ سکون و انبساط صرف اہل اللہ کا ہی شیوہ ہے۔

حضرت مولانا سیّد سلیمان صاحب ندویؒ جب حضرت کی عیادت کو تشریف لائے تو آپ نے اس استقامت کا (جو کہ ٹانگ کٹنے کے وقت تھی) راز پوچھا۔ آپ نے فرمایا "میں اس وقت اس تکلیف کے اجرِ جزیل کی خوشی میں جو متشکل ہو کر سامنے آ گیا تھا، ایسا محو ہوا کہ مجھے کچھ پتہ نہ چلا کہ کیا ہو رہا ہے"۔ یہ عین الیقین کا مقام تھا کہ تکلیف تک کا احساس نہ ہوا۔ اسی سلسلہ میں ایک دفعہ اثنائے گفتگو میں فرمایا کہ "میں اپنی کٹی ہوئی ٹانگ میں درد کی ٹیس محسوس کرتا ہوں۔ تعجب کی بات ہے کہ درد کا محل موجود نہیں۔ مگر احساس موجود ہے"۔

اسی ضمن میں ایک دفعہ مجلس میں فرمایا کہ "والدین اپنی اولاد کو تکلیف میں نہیں دیکھ سکتے۔ اولاد کی تربیت میں کتنی ہی مرتبہ وہ اولاد کو سزا بھی دیتے ہیں، پھر امتحان پر امتحان دلواتے ہیں۔ کیا اولاد امتحان دینے سے انکار کر دے، کہ اس مشقت و مصیبت میں کیوں مبتلا کیا جا رہا ہے"۔ پھر باغ کے مالی کی مثال بیان کی، کہ "مالی باغ میں کس محنت سے پھل اور پھول لگاتا ہے۔ ان کی تربیت و نشو و نما کیلئے کبھی قینچی سے انہیں تراشتا ہے۔ یہ سب کچھ کرتے وقت کیا مالی اپنے ہاتھ سے ان لگائے ہوئے پودوں پر ظلم کرتا ہے۔ یا انہیں تکلیف دینا مقصود ہوتا ہے، یہی مثال حق تعالیٰ کی ہے۔ جنہیں اپنی مخلوق والدین سے کروڑوں درجہ پیاری ہے تو پھر بھلا وہ کب برداشت کریں گے کہ ان کی مخلوق کسی زحمت یا تکلیف میں مبتلا ہو۔

مَا يَفْعَلُ اللّٰهُ بِعَذَابِكُمْ اِنْ شَكَرْتُمْ وَآمَنْتُمْ وَكَانَ اللّٰهُ شَاكِرًا عَلِيْمًا۔ (ترجمہ) اللہ تعالیٰ تم کو سزا دے کر کیا کریں گے اگر تم سپاس گذاری کرو۔ اور حق کو مانو اور یقین رکھو اور اللہ تعالیٰ بڑے قدر کرنے والے خوب جاننے والے ہیں (سورۂ نساء۔ از جامع اوراق)

اس مرض مذکور کے علاوہ گذشتہ کئی سال سے ذیابطیس کی بھی شکایت ہو گئی تھی۔ پھر خون کا دباؤ بڑھ گیا۔ دو مرتبہ فالج کا بھی حملہ ہوا۔ دو مرتبہ آنکھوں کا آپریشن ہوا۔ اس کے ساتھ دِل بھی متاثر ہو گیا اور قلبی حملے شروع ہو گئے۔ لیکن کبھی آپ کی زبان مبارک سے ایک حرف بھی شکایت یا جزع فزع کا نہیں سُنا گیا۔ بہر حال مجموعۂ امراض ہونے کے باوجود حضرت کی زبان مبارک سے کسی قسم کا کوئی جملہ شکوہ وشکایت کا نہیں سُنا گیا۔ بلکہ اس حالت میں بھی اللہ تعالیٰ کی نعمتوں اور عنایتوں کا ذِکر فرماتے رہتے۔ نوابزادہ جناب محمد ذاکر قریشی صاحب نے عرض کیا کہ حضرت کیسا مزاج ہے؟ فرمایا نواب صاحب اُس شخص کا کیا حال پوچھتے ہو جو ہر حال میں خوش رہے۔ اسی طرح ایک صاحب کے پوچھنے پر فرمایا کہ الحمد للہ! اچھا ہوں۔ سائل نے پاؤں کی تکلیف کے بارے میں سوال کیا تو فرمایا کہ حق تعالیٰ کا ارشاد ہے مَا عِنْدَكُمْ يَنْفَدُ یعنی تمہارے پاس جو کچھ ہے ختم ہو جائے گا۔ خواہ وہ خوشگوار حالت ہے، یا ناخوشگوار۔ بہر حال ختم ہو جائے گی۔ مال و دولت عیش اور آرام ہے وہ بھی ختم ہو جائے گا۔ اور اگر تکلیف، مرض، پریشانی ہے تو وہ بھی ختم ہو جائیگی۔

اس لئے یہ تکلیف اور ہر تکلیف عارضی ہے - پریشانی کی کیا بات ہے - باقی رہنے والی چیزیں تو ایمان اور عقل ہیں - اللہ تعالیٰ ان کو باقی رکھے اور باقی سب چیزیں آنی جانی ہیں - بقول حضرت مجذوبؒ ؎

عقل و ایماں ہیں رفیقِ دائمی آنی جانی اور سب چیزیں ہیں بس

ایک مرتبہ ایسے ہی استفسار پر فرمایا کہ حضرت (تھانویؒ) کی علالت کی حالت میں کسی نے مزاج پرسی کی تو فرمایا کہ "الحمدللہ! اچھا ہوں - بیماروں میں تندرست ہوں اور تندرستوں میں بیمار۔"

بیٹا اگر چاہے کہ جیسے میں چاہوں باپ ویسا ہی کرے یہ بیٹے کی غلطی ہے بلکہ بیٹے کو چاہیئے کہ جس طرح باپ چاہے بیٹا اُسی طرح کرے۔

الغرض حضرت مفتی صاحبؒ خداوند تعالیٰ کے ان بندوں میں سے تھے جنہوں نے اپنی سب آرزوؤں کو اُن کی مشیّت میں فنا کر دیا تھا اور وہ ہر معاملہ میں وہی چاہتے ہیں جو حق تعالیٰ چاہتے ہیں۔ ع

ہرچہ آں خسرو کند شیریں بود

اور اکثر حضرت خواجہ عزیز الحسن صاحب مجذوبؒ کا یہ شعر پڑھا کرتے تھے ؎

ہر تمنا دل سے رخصت ہوگئی اب تو آجا اب تو خلوت ہوگئی

ایک بار فرمایا حدیث شریف ہے "مَنْ جَعَلَ هُمُوْمَهٗ هَمًّا وَّاحِدًا هَمَّ الْاٰخِرَةِ كَفَى اللّٰهُ هُمُوْمَهٗ كُلَّهَا۔ وَمَنْ تَشَعَّبَتْ بِهٖ هُمُوْمُهٗ لَمْ

يُبَالِ اللّٰهُ فِي أَيِّ وَادٍ هَلَكَ۔ ترجمہ:۔ جو شخص سارے فکروں کو چھوڑ کر ایک فکر اختیار کرے یعنی آخرت کی فکر تو حق تعالیٰ اس کے سب فکروں کی کفایت کرتے ہیں اور جو خود مختلف افکار میں مبتلا ہو۔ حق تعالیٰ کو اس کی پرواہ نہیں کہ وہ کس جنگل اور وادی میں ہلاک ہوتا ہے۔

جب مولانا صوفی عبدالرحمٰن صاحب لکھنوی نے عربی زبان میں "کلمۃ الحق" کتاب لکھی۔ جس کا خلاصہ یہ ہے کہ کلمۂ توحید کے معنی یہ ہیں کہ بت و اصنام اللہ کا عین ہیں نہ غیر اور اس پر دال ہیں نصوص قرآنیہ و احادیث نبویہ علی صاحبہا الصلوٰۃ والسلام اور توحید وجودی کو صوفی صاحب لکھنوی لازمی قرار دیتے ہیں اور اس کو مورد نجات سمجھتے ہیں اور اس کے رد میں حضرت فاضل اجل مولانا پیر مہر علی شاہ صاحب گولڑوی نے "تحقیق الحق فی کلمۃ الحق" تصنیف فرمائی اور لکھنوی صاحب کے غلط نظریات اور کمزور دلائل پر تنقید فرمائی۔ تو ڈھینڈیاں متصل ہری پور کے حضرت مولانا محمد معصوم صاحبؒ نے جو حضرت پیر صاحب گولڑویؒ کے ہم درس اور ہم استاد رہ چکے تھے۔ ایک خط حضرت پیر صاحب گولڑوی کو لکھا جس کا مضمون یہ تھا کہ آپ کو صوفی صاحب لکھنوی کے دلائل کی فلاں شق پر بھی تنقید کرنی چاہیئے تھی اور یہ خط حضرت مفتی صاحبؒ کے سپرد ہوا جو اس وقت حضرت مولانا معصومؒ کے یہاں پڑھتے تھے کہ آپ اس خط کو گولڑہ لے جائیں اور اس کا جواب لائیں۔ جب یہ خط حضرت گولڑویؒ کی خدمت میں پیش کیا تو دیکھ کر

حضرت پیر صاحبؒ نے فرمایا کہ میرا مقصد اس سے حصر نہیں تھا۔ فقط۔

اس سلسلہ میں حضرت مفتی صاحبؒ نے یہ بھی فرمایا کہ کتاب تحقیق الحق کے متعلق حضرت حکیم الامت تھانوی قدس سرّہٗ نے فرمایا تھا کہ صوفی عبدالرحمان صاحب کی کتاب کا اصل جواب وہ ہے جو حضرت پیر صاحب گولڑوی نے دیا ہے اور پیر صاحبؒ نے کتاب کا نام بھی خوب تجویز کیا ہے۔

فرمایا کہ سب سے پہلے میری حاضری خانقاہ اشرفیہ تھانہ بھون رمضان المبارک ۱۳۴۰ھ میں ہوئی۔ اس حاضری کا واقعہ اس طرح ہوا کہ میں دو صد روپیہ کے قرض سے زیر بار تھا۔ رمضان شریف قریب تھا۔ امرتسر میں رمضان گذارتا تو ایک جگہ پر ایسی صورت پیدا ہو گئی تھی کہ قرض کی رقم سے سبکدوش ہو جاتا۔ لیکن ادھر خانقاہ تھانہ بھون میں حاضری کا بے حد شوق۔ ادھر طبیعت پر قرض کے بوجھ کا اثر، اور قرض کی ادائیگی کا خیال۔ اسی کشمکش میں تھا۔ آخر خانقاہ تھانہ بھون میں حاضر ہونے کا فیصلہ کر لیا۔ یہ پہلی دفعہ خانقاہ امدادیہ اشرفیہ میں حاضری کا موقع تھا۔ جونہی حضرت حکیم الامت قدس سرہٗ کی خدمت اقدس میں حاضر ہوا مصافحہ کیا میرے ہاتھ پکڑے رکھے اور بار بار یہ جملے فرماتے رہے، کہ دو سو روپیہ بھی کوئی چیز ہے۔ دو سو روپے علماء کی جوتیوں کی گرد ہوتے ہیں، دو سو روپیہ بھی کوئی چیز ہے۔ یہ تو علماء کی جوتیوں کی گرد ہے۔ میرے ہاتھ تب چھوڑے کہ دل سے یہ خیال نکال دیا اس خیال سے دل کو صاف کر کے چھوڑا۔ اس موقع پر

خانقاہ میں پہلی رات ایک خواب دیکھا جس میں موٹے حروف میں یہ لکھا ہوا بتایا گیا تھا۔

"سگِ دربارِ گیلاں شو چو خواہی قُربِ ربانی"

اس کے بعد سے برابر ہر سال رمضان شریف کے مہینے میں تشریف لے جاتے رہے۔ عام طور پر یہ معمول تھا کہ شعبان کی آخری تاریخوں میں خانقاہ تشریف لیجاتے اور رمضان شریف کی ستائیسویں رات جس میں وہاں پر تراویح میں ختم قرآن مجید ہوا کرتا تھا، وہاں گذار کر صبح ہی وہاں سے روانہ ہو جاتے۔ اس کے علاوہ بھی جب موقع ملتا، خانقاہ تشریف لے جاتے۔

فرمایا کرتے تھے کہ میری یہ کوشش رہتی ہے کہ سال میں کم از کم چالیس روز خانقاہ میں قیام کے ہو جائیں۔

۱۳۶۰ھ کے رمضان شریف سے لے کر ۱۳۹۶ھ تک برابر ہر سال حاضری ہوتی رہی اور سال کے ان اعداد میں جو خصوصیت ہے وہ اہلِ نظر سے پوشیدہ نہیں۔

غرض حضرت مفتی صاحب قدس سرہ العزیز نے اپنے وقت میں اپنے شیخ کی تعلیمات کو خوب خوب عام فرمایا۔ اُن کی ہر مجلس اپنے شیخ کی مجلس کا نمونہ اور ان ہی کے ذکر سے معمور ہوتی تھی۔ ہزارہا بندگان خدا اس در سے فیضیاب ہوئے اور ہزاروں انسان ان کی تعلیمات سے راہ پر لگے۔

آخر کار یہ چشمۂ فیض اور آفتاب ہدایت اپنی ضیا پاشیاں مکمل کر کے ۱۲ ذی الحجہ

۔۔۔ (جمعرات) کو اپنے محبوبِ حقیقی سے جا ملا اور خدام و متوسلین کو خاک و خون میں غلطان و پیچاں چھوڑ کر داصل بحق ہوا۔ اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ۔

رَحِمَہُ اللّٰہُ تَعَالیٰ رَحْمَۃً وَّاسِعَۃً وَّجَعَلَ فِیْ جَنَّۃِ الْفِرْدَوْسِ مَثْوَاہُ۔ وَقَدْ جَعَلَ اِنْشَاءَ اللّٰہُ۔

حق تعالیٰ ہم خدام کو اُن کے نقشِ قدم پر چلنے اور اپنی مرضیات میں لگے رہنے کی توفیق عطا فرما کر خاتمہ بالایمان نصیب فرمائے۔

آمِیْن ثُمَّ آمِیْن بِحُرْمَۃِ سَیِّدِ الْمُرْسَلِیْنَ صَلَّی اللّٰہُ تَعَالیٰ عَلَیْہِ وَعَلیٰ آلِہٖ وَاَصْحَابِہٖ وَاَتْبَاعِہٖ اَجْمَعِیْنَ اِلیٰ یَوْمِ الدِّیْنِ وَسُبْحَانَ رَبِّکَ رَبِّ الْعِزَّۃِ عَمَّا یَصِفُوْنَ وَسَلَامٌ عَلَی الْمُرْسَلِیْنَ وَالْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ۔

جریح الفؤاد

خادم آستانہ

احقر عزیز الرحمٰن عفی عنہ

ہر قسم کی خط و کتابت مندرجہ ذیل پتوں سے کیجئے

(۱) حضرت مولانا عزیز الرحمٰن صاحب۔ بانی و مہتمم مدرسہ امداد العلوم عزیزیہ۔ لوئر ملک پورہ۔ ایبٹ آباد۔ ضلع ہزارہ۔

(۲) شیخ محمد عالم احمد اصغر کمیشن ایجنٹ پرانی غلہ منڈی لائل پور۔

"فضائلِ اذکارِ مسنونہ" بصورت چارٹ بلاک سے آرٹ پیپر پر چھپا ہوا سات پیسے کا ٹکٹ ڈاک خرچ کے لئے بھیج کر مفت طلب فرمائیں۔

نیز اس چارٹ کے بلاک وغیرہ محفوظ ہیں۔ اگر کوئی صاحب زماہِ عام کے لئے چھپوانا چاہیں۔ وہ صرف کاغذ اور چھپائی کا خرچ ارسال فرمائیں۔

پتہ

شیخ محمد عالم احمد اصغر کمیشن ایجنٹ

پرانی غلہ منڈی ◉ لائلپور